22
43-42

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور (پاکستان)

نگران اعلیٰ
مولانا مفتی محمود

عظیم کعبہ

ملی وحدت اور اس کے تقاضے

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تقریر

حالات کا تقاضہ
اداریہ

شمارہ ۴۲-۴۳
۱۹ اکتوبر تا یکم نومبر ٦٧٩
قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

نعت سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم

(مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

سراپا چمن ہے دیارِ مدینہ
دوام آشنا ہے بہارِ مدینہ

مدینے کے پھولوں کا کیا پوچھتے ہو
رگِ گل ہے ہر نوک خارِ مدینہ

دلوں پر ہے جس کی حکومت کا سکہ
زہے شوکت تاجدارِ مدینہ

کسی چیز کو اس کی حسرت نہیں ہے
میسر ہو جس کو غبارِ مدینہ

یہ مسجد یہ منبر یہ روضہ یہ گنبد
ہے فردوس پر یادگارِ مدینہ

وہاں کی زمین عرش سے بھی ہے اعلیٰ
جہاں دفن ہیں تاجدارِ مدینہ

تہجد، تلاوت، تضرع، دعائیں
خوشا سعی شب زندہ دارِ مدینہ

حنین و تبوک و بدر و احد میں
صف آرا ہوئے شہسوارِ مدینہ

کبارِ مدینہ تو یوں بھی بڑے ہیں
بڑوں سے بڑے ہیں صغارِ مدینہ

تمنا ہے عمرِ رواں اپنی گزرے
بہ ہمراہ لیل و نہارِ مدینہ

فریدی چلو چل کے روضہ پہ کہنا
سلام آپ پر تاجدارِ مدینہ

تصورِ کعبہ

(حضرت عروج قادری)

تصور میں تیرے ہے لطف اتنا تجھ میں کیا ہوگا
تیرے دیدار سے قلبِ حزیں کا غنچہ وا ہوگا

تیرے دیوار و در ہیں آئینہ اس کی تجلی کا
مری چشمِ بصیرت کے لئے تو آئینہ ہوگا

جمالِ لم یزل کا مظہرِ مخصوص تو ہے جب
ترے آئینۂ رحمت میں خود وہ رونما ہوگا

ترا جب سامنا ہوگا تڑپ اٹھے گا میرا دل
مری آنکھوں سے اشکِ غم مسلسل بہ رہا ہوگا

ندامت کے پسینے میری پیشانی پہ ابھریں گے
مرا دل اپنی عصیاں پروری پر جل اٹھا ہوگا

لپٹ کر تیرے دامن سے کہوں گا اپنی سب حالت
نہ جانے کس طرح مجھ سے بیان مدعا ہوگا

پکار اٹھوں گا رب البیت رب البیت آخر کو
ترے مالک کی رحمت میرا تنہا آسرا ہوگا

وہ دینِ حق کہ جس کا تو ہی مرکز سب سے پہلا ہے
نثار اس دین پر میرا سراپا ہو رہا ہوگا

بلک کر کہہ رہا ہے جانے کیا کیا ترے گوشے میں
عجب انداز ہے اس کا یہ کوئی دلِ جلا ہوگا

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۲۲ شمارہ نمبر ۲۲-۲۳

جمعۃ المبارک ۳۰ ذیقعد ۹ ذی الحج ۱۳۹۹ھ

سرپرست
مولانا عبید اللہ انور

مدیر
اکرام القادری

مدیر معاون
عمیر الہاشمی

بدل اشتراک
سالانہ ۶۵ روپے
ششماہی ۳۳ روپے
سہ ماہی ۱۷ روپے
فی پرچہ
ایک روپیہ

خط و کتابت: ترجمان اسلام، رنگ محل لاہور-۸

پرنٹر قاسم پریس، پبلشر مولانا عبید اللہ انور، شیرانوالہ گیٹ لاہور

حالات کا تقاضہ

بساط سیاست کو بیک جنبش قلم لپیٹ دینے کے بعد موجودہ گھٹن مایوسی اور تذبذب کی فضا کے تدارک کا اب صرف ایک ہی راستہ ہے کہ حکومت جتنا جلد ممکن ہو ملک میں مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کر دے اور جن حدود کا اس سے قبل نفاذ عمل میں آچکا ہے ان پر پوری سختی سے عملدرآمد کرے۔

قومی حلقے بخوبی واقف ہیں کہ چار اسلامی حدود کے نفاذ کے کچھ عرصہ بعد تک جرائم کی رفتار میں کافی حد تک کمی واقع ہوئی تھی۔ خود آئی۔ جی پولیس حاجی حبیب الرحمٰن نے اپنے ایک بیان میں اس امر پر اظہار مسرت کیا تھا کہ اسلامی حدود کے نفاذ کے بعد جرائم کی رفتار میں کمی آگئی ہے۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جرائم کی رفتار میں یہ کمی برقرار نہ رہ سکی اور مجرمین نے چند ماہ کے جائزے کے بعد یہ محسوس کیا کہ ان حدود کے نفاذ سے ہم پر کوئی زد نہیں پڑے گی کیونکہ اسلامی حدود کے نفاذ کے پہلو بہ پہلو پہلے سے رائج شدہ قوانین جوں کے توں قائم ہیں، بلکہ بعض عدالتوں نے حدود کے مطابق سزائیں دیں تو انگریزی قوانین کی عدالتوں نے ان پر عملدرآمد روک دیا جس سے مجرمین کے حوصلے بڑھے اور انہوں نے وہ تمام کمی پوری کرنا شروع کر دی جو ابتدائی چند مہینوں میں ہوئی تھی۔ دن دہاڑے چوریاں اور ڈاکے روزمرہ بنتا گیا اور قتل و غارت گری کا بازار اس شدت سے گرم ہوا کہ پناہ بخدا۔

صدر نے بساطِ سیاست لپیٹتے ہوئے اپنی نشری تقریر میں جن ترجیحات کا ذکر کیا ہے ان میں بھی بنیادی اہمیت مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کو ہی حاصل ہے۔ یہ ملک معرض وجود میں بھی اسلامی نظام کے نفاذ کے نعرے کی بنیاد پر ہی آیا تھا۔ اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے فقید المثال قربانیاں دی گئیں تھیں۔ اسی کا مطالبہ گذشتہ ۳۲ سال سے پوری قوم کر رہی ہے۔ اسی

لئے تحریکِ نظام مصطفےٰ میں قوم کے جوانوں نے سینوں پر گولیاں کھائی ہیں۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جسے کوئی شخص جھٹلا نہیں سکتا بلکہ اس حقیقت کی دو تعبیریں کرنا بھی واقعات و حقائق کی تکذیب اور بے بصری کے مترادف ہے۔

صدر مملکت سے لے کر ایک عام آدمی بھی اس حقیقت سے آشنا ہے کہ یہ ملک لاالہٰ الا اللہ کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا اور اس داستانِ الم سے بھی سب واقف ہیں کہ ۳۲ سال سے حکمرانوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کی ادنیٰ کوشش بھی نہیں کی۔ موجودہ حکومت سے بھی عوام نے اسلامی نظام کے مکمل نفاذ و اجراء کے سلسلے میں وابستہ کی تھیں بوجوہ تا ایں دم ان کی تکمیل نہیں ہو سکی خود سرکاری حلقے بھی اس کے معترف ہیں۔ دریں حالات یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر اب بھی اس سمت میں کوئی بھرپور قدم نہ اٹھایا گیا تو قوم ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ سے مکمل طور پر مایوس ہو جائے گی اور لادین طبقہ جو اپنی زیرزمین سرگرمیوں میں مصروف ہے نکل کر سامنے آ جائے گا اور اسے غریب عوام کو مختلف ازموں کے نام پر گمراہ کرنے کا سنہری موقع فراہم ہوگا۔

ملکی اقتصادیات کے بارے میں صدر نے جو کچھ اپنی تقریر میں ترجیحی طور پر کہا ہے اس پر بھی منظم طور پر کام کرنے اور اس کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں ہم اربابِ اقتدار سے یہ گذارش کریں گے کہ ملکی اقتصادیات کا مسئلہ چھوٹی سطح کے کچھ دکانداروں کو سزائیں دینے، جرمانے کرنے اور صرف ڈپو ہولڈروں کو کوڑے لگانے سے حل ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس اہم مسئلہ کے حل کے لئے سرکاری سطح پر منظم اور مربوط منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے چھوٹے دکانداروں ڈپو ہولڈروں کو زجر و توبیخ کے ساتھ ان بڑے بڑے مجرموں کو بھی گرفت میں لینا چاہیئے جن کے لمبے ہاتھ ہیں جو سینکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کے حساب سے لوٹ کھسوٹ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس کے باوجود سکون و اطمینان اور چین و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ وہ استحصالی اور ملک دشمن طبقہ ہے جس پر نہ کوئی ضابطہ اثر انداز ہوتا ہے نہ کوئی قانونی اور آرڈیننس ہی ان کی شہ رگ تک پہنچنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ پیداوار میں اضافے غیر ضروری اخراجات میں کمی، اشیاء تعیشات کی درآمد پر مکمل پابندی اور ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ دولت کی ضبطی سے بھی ملکی معیشت کی ڈولتی ہوئی کشتی کو سنبھالا دیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ایک جامع اور مربوط پروگرام کے تحت ہی ممکن ہے محض سرکاری اعلانات مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتے

صدر نے اپنی تقریر میں امن و امان کے مسئلے کا بھی ترجیحی حیثیت سے ذکر کیا ہے اور اس سمت میں بھی قدم اٹھانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ کسی بھی معاشرے کے لئے امن و امان کی سخت ضرورت ہے۔ ملک امن و امان نہ ہونے کی صورت میں عدم استحکام اور داخلی انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

لیکن ہماری دو ٹوک رائے یہ ہے کہ امن و امان کا تعلق ملک کے اقتصادی اور معاشرتی حالات سے بہت گہرا ہے۔ اقتصادیات کے موجودہ ڈھانچے اور معاشرتی بے راہروی کے موجودہ نظام کی موجودگی میں ملک میں امن و امان قائم کرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ذرائع ابلاغ معاشرتی بگاڑ کے سلسلے میں جو خدمات سرانجام دے رہے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں اور طلب زر کی غرض سے جس نوعیت کا مخرب اخلاق لٹریچر ہمارے یہاں فراوانی کے ساتھ نسل نو کے ہاتھوں میں پہنچایا جا رہا ہے وہ کوئی راز کی بات نہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ سب کچھ جاری و ساری رہتے ہوئے معاشرتی بے راہروی ختم ہو جائے اور امن و امان قائم ہو جائے۔ حصولِ مقصد کی خاطر ان بنیادی اینٹوں کو اکھیڑنا ہوگا جو کسی بھی وجہ سے قومی محل کی تعمیرِ نو میں ٹیڑھی لگ گئی ہیں۔ اگر ان اینٹوں کو اکھاڑے بغیر تعمیر شروع کر دی تو نہ صرف یہ کہ قومی محل کی تعمیر صحیح نہیں ہوگی بلکہ وہ میٹریل بھی ضائع ہو جائے گا جو اس تعمیر میں لگے گا۔ وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے آنے والے حالات کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہوگا۔ ملک کے روشن مستقبل کے لئے ایسے اقدامات کی ضرورت ہے جس کے نتائج دُور رس ثابت ہوں۔

محمد نعیم ترین - کواسے زیارت

موجودہ سرمایہ دارانہ نظام اور اسلامی نظام کا نفاذ اسلام

کے اقتصادی اور معاشی پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے

اس مسئلہ پر بین الاقوامی شریعت کانفرنس میں عالموں، دانشوروں اور قانونی ماہروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ شرکاء کانفرنس کے مقالات شائع کر دیئے جائیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ نفاذ شریعت اس قدر آسان نہیں جس قدر سمجھا گیا ہے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ فتاویٰ عالمگیری یا اس طرح کی چند کتابوں میں مدوّن اور مرتب شکل میں موجود ہے اور کام اب صرف اتنا رہ گیا ہے کہ کوئی حکمران اسے نافذ کر دینے کا اعلان کرے بعض دوسرے حضرات جن میں قابل احترام ریٹائرڈ جج صاحبان بھی شامل ہیں اس خیال کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ اگر عدالتوں کو کتاب و سنت کے مطابق ہر معاملے کے فیصلے کا اختیار دے دیا جائے تو اسلامی شریعت نافذ ہو جائے گی مگر یہ سب خوش فہمیاں ہیں اس طرح سوچنے والے حضرات اس بات کو بھولے ہیں کہ اسلام صرف مجموعہ قوانین کا نام نہیں ہے بلکہ ایک معاشرتی طرز عمل ایک اخلاقی احساس اور ایک ایمانی جذبہ و کیفیت ہے جو معاشرہ کی رگ و پے میں سمویا ہوتا ہے اس طرح کے اسلامی معاشرہ میں اسلامی شریعت کا پیوند نہیں لگایا جا سکتا اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معاملہ صرف قوانین تک محدود نہیں ہے بلکہ ہمیں سارے معاشرے کو تبدیل کرنا ہے اور ایک حقیقی اسلامی معاشرہ پیدا کرنا ہے۔ یہ نیا معاشرہ اس وقت پیدا ہوگا جب ہم لوگوں میں ایمان، خوف خدا، اخلاقی اقدار کا لحاظ اور نیکی کا جذبہ عام کریں۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ آج ہمارا معاشرہ بگڑ گیا ہے اس حد تک بگاڑ پیدا ہو گیا ہے کہ برائی کی راہ پر چلنا آسان اور نیکی کی راہ پر چلنا مشکل اور بہت مشکل ہو گیا ہے۔ افراد معاشرہ کے لیے قدم قدم پر برائیوں کی ترغیب ہے اور بھلائیوں کی راہ میں موانعات حائل ہیں اس معاشرہ کو جوں کا توں قائم رکھ کر اسلام اور شریعت کو نافذ نہیں کیا جا سکتا سب سے پہلے اس بات کا سنجیدہ تجزیہ ہونا چاہیے کہ آخر ہمارا معاشرہ اس حد تک کیوں بگڑ گیا ہے اور اس بگاڑ کے اسباب کو ختم کس طرح کیا جا سکتا ہے اسلامی شریعت ایسے معاشرہ کے لیے ہے جس میں اکثریت اہل ایمان کی ہو اہل اخلاق کی ہو جس میں امین اور دیانتدار لوگ زیادہ ہوں۔ خائن۔ راشی۔ چور۔ نمک کے برابر ہوں۔ اچھے لوگ اچھی بھلی تعداد میں ہوں صرف تھوڑے سے برے لوگ رہ گئے ہوں جو ناقابل اصلاح ہوں اور ان کو سخت سزاؤں کے خوف سے باز رکھا جائے مگر جہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہو وہاں اسلام کے نظام تعزیرات کے ساتھ اسلام کے نظام اخلاق کی ضرورت ہے اسلام کے تعزیراتی قوانین اسلام کے مکمل نظام حیات کا ایک جزو ہیں اور کل کی عدم موجودگی میں مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ نفاذ شریعت کانفرنس کی یہ تجویز مفید ہے کہ اسلامی ممالک کا ایک قانون کمیشن قائم کیا جائے اس طرح قانون کمیشن اس امر کا جائزہ لے سکتا ہے کہ کہاں پر منشائے شریعت کی تکمیل کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے اور جو نئے حالات ہیں ان میں کیا کیا نئی چیزیں اختیار کرنا ضروری ہو گئی ہیں اور انہیں کس طرح اختیار کیا جائے مثلاً اسلامی معاشرہ میں جمہوریت کے نئے سسٹم کو کس طرح اپنایا جائے اقتصادی انصاف جو کہ منشائے شریعت ہے اس کے لیے مروجہ قوانین ملکیت پر کس طرح سے نظر ثانی ہو اگر ان معاملات کے بارے میں مسلمان ملک الگ الگ فیصلہ کریں گے تو ان کا نظام ایک دوسرے سے مختلف ہو جائے گا اگر سب مل کر ایک ایسا پلیٹ فارم بنائیں جہاں اجتماعی غور و فکر ہو اور سب مل کر ایک سمت میں آگے بڑھیں تو اسی سے عالم اسلام کی یکجہتی اور وحدت قائم ہو سکے گی اور مسلمان ممالک انتشار فکر و نظر سے محفوظ رہ سکیں گے ایک بڑا مسئلہ اقتصادیات کا ہے۔ بدقسمتی سے آج ہمارا معاشرہ ہوس زر کا شکار ہے خواہ امیر ہے خواہ غریب سب نے زر پرستی کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے جو چیز سونے اور چاندی کے باٹوں میں تولی جا رہی ہے اس زر پرست تہذیب کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشرہ میں اخلاقی اقدار دم توڑ رہی ہیں اسلامی نظام کو حقیقت بنانے کے لیے پہلے اس سرمایہ دارانہ تہذیب کو ختم کرنا ہوگا یہ تہذیب انسانوں کو بندہ نفس بناتی ہے اور جو بندہ نفس ہو جاتا ہے وہ بندہ خدا نہیں ہو سکتا ہم اپنی تہذیب کو نفس پرستی کی بجائے خدا پرستی پر اسی وقت استوار کر سکتے ہیں جب ہم نظام سرمایہ داری کے مفاسد کا تدارک کریں اس نظام کو قائم رکھ کر نفاذ شریعت کی باتیں کرنا بے کار ہے۔ ہم جب تک اپنے سیاسی اور معاشی نظام [illegible] ہم آہنگ نہیں کر لیتے [illegible] قانون میں کتنی ہی تبدیلیاں کیوں [illegible] وقت تک مطمئن نہیں ہوں گے جب تک ان کے معاشی مسائل حل نہ ہوں اگر [illegible] گیا تو کہا جا سکتا ہے کہ اسلام صرف [illegible] مذہب ہے اس سے اسلام کو نقصان پہنچنے کا خطرہ [illegible] اس بات کی ہے کہ اسلام کے اقتصادی اور معاشی

بقیہ: عظمتِ کعبہ

اسد حمیری نے پہلی مرتبہ کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھایا یوں کعبہ پر غلاف چڑھانے کی مہم کا آغاز ہو گیا۔ اس کے بعد کعبہ پر ہر سال غلاف چڑھائے گئے مگر پرانے کو اتارا نہیں جاتا تھا جس کے باعث متعدد مرتبہ آگ بھی لگی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے پرانے غلاف کو اتروانا شروع کیا اس کے بعد سے آج تک آگ نہ لگنے پائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غلاف چڑھایا۔ اس غلاف میں یمن کا کپڑا استعمال کیا گیا تھا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ نے بھی "قباطی" اور پھر "دیباج" کے کپڑے سے غلاف چڑھائے۔ بنی امیہ (عباسیہ کے خلفاء) بڑے اہتمام کے ساتھ غلاف چڑھایا کرتے تھے اور آج بھی اس شان و شوکت سے چڑھایا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ پاکستان نے بھی غلاف کعبہ سعودی عرب کو نذرانے کے طور پر پیش کیا جو قبول کر لیا گیا۔ بیت اللہ کی اہم سوغات آب زمزم ہے جو کہ آج تک ٹھہرا ہوا ہے جیسا کہ حکم ہوا تھا۔ اس سے ہر سال لاکھوں لوگ اپنے دلوں کی روحانی پیاس بجھاتے ہیں، اپنی آنکھوں کا نور بڑھاتے ہیں۔

رہ و رسم حرم نامحرمانہ
کلیسا کی ادا سوداگرانہ
تبرک ہے میرا پیراہن چاک
نہیں اہل جنوں کا یہ زمانہ
(اقبال)

بقیہ: مولانا ندوی کی تقریر

۱ خلافت سے متعلق ہیں۔ ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دورے کے مصارف خلافت کے سرمائے سے لئے۔ حتیٰ کہ کانگریس کے لیے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کے ان کے دورے کے مصارف بھی مجلس خلافت نے ادا کئے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کانگریس کی روح رواں تحریک خلافت اور مجلس خلافت تھی۔"

(ہمدرد ۲ ستمبر ۱۹۲۷ء)
(مولانا محمد علی کی یاد میں ص ۱۸۱-۱۸۲)

"تحریک خلافت" پر یہ نزاعی تحریر کافی طویل ہو گئی۔ اگر محمد علی مرحوم کے بارے میں بحث کو آگے بڑھاؤں تو مضمون طویل ہوتا چلا جائے گا اس لئے اس موضوع سے صرفِ نظر کرتے ہوئے دور حاضر کے محققین اور مصنفین سے درخواست کروں گا کہ وہ اس کتاب پر اس زاویہ نگاہ سے بھی نظر ڈالیں کہ علی برادران کو اس کتاب میں ان کا صحیح مقام مل سکا ہے یا نہیں؟

دو خامیاں:

یہ کتاب فوٹو آفسٹ کے ذریعہ معیاری طباعت و کتابت کے ساتھ شائع ہوئی، لیکن اس کے اندر الفاظ، حروف کی غلطیاں افسوس ہے کہ بہت زیادہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاپی اور پروف کی تصحیح کا اہتمام بالکل نہیں کیا گیا ہے۔ بعض صفحات میں تین تین چار چار غلطیاں ہیں۔ مثال کے طور پر ص ۲۸ کو غور سے دیکھ لیا جائے۔ کتابیات کے اندر حیات سلیمان کو حیات سلیمانی اور رئیس الاحرار کو رئیس الامراء لکھ دیا گیا ہے۔ ایک بات جو سب سے زیادہ کھٹکی وہ یہ ہے کہ اعداد و شمار اور صفحات کے ہندسے بھی پابندی کے ساتھ انگریزی میں لکھے گئے ہیں۔ اردو کتابت میں انگریزی رسم الخط میں اعداد و نمبرات زیب نہیں دیتے۔

آخر میں درخواست ہے کہ قاضی صاحب میری ان گذارشات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں اور کارآمد درست ہونے کی صورت میں قبول فرمائیں۔

گاہ باشد کہ کودک ناداں
بہ غلط بر ہدف زند تیرے

(بشکریہ الفرقان لکھنؤ)

قارئین کی توجہ کے لئے

منگل اور بدھ کی درمیانی رات کو حکومت کی طرف سے چند "اصلاحی" مارشل لاء ریگولیشن کے نفاذ کے باعث ترجمان اسلام کا شمارہ ۴۲ منظر عام پر نہیں آسکا۔ نقصان سے قطع نظر شمارہ ۴۳ میں ہی شمارہ ۴۲ بھی شامل ہے۔

قارئین سے گذارش ہے کہ درج ذیل ہدایات پر توجہ فرمائیں:

۱۔ ترجمان اسلام کی خریداری اور ایجنسیوں ۔۔ بلوں کی تمام رقوم ایڈیٹر جناب اکرام القادری ہفت روزہ ترجمان اسلام، چوک رنگ محل، لاہور ۔۸ کے پتے پر ارسال کی جائیں۔
۲۔ تا اطلاع ثانی چیک اور ڈرافٹ ارسال نہ کئے جائیں۔
۳۔ نیز یہ کہ تمام قسم کی خط و کتابت صرف مینیجر ہفت روزہ ترجمان اسلام کے نام کی جائے۔
۴۔ منی آرڈر اور رجسٹری خطوط پر کالعدم جمعیۃ علماء اسلام کا نام قطعاً استعمال نہ کیا جائے۔ اگر سہواً یا دانستہ ایسا ہوا تو ادارہ اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ کیونکہ حکومت کی طرف سے سیاسی جماعت کے نام تمام خطوط، چیک، منی آرڈر ضبط کئے جانے کا حکم ہے جو خریداروں اور ایجنسی ہولڈروں کے پتے کالعدم جمعیۃ علماء اسلام کے دفاتر کے ہیں وہ فوراً ہمیں تبادل پتوں (سے مطلع) فرمائیں۔ ادارہ

اللہ والوں کی دُنیا ـــــ حافظ ارشاد احمد دیوبندی

افضل البشر بعد الانبیاء سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اہل اسلام کا اسلاف سے لے کر اخلاف تک یہ متفقہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ کو ساری دنیا سے افضلیت کا شرف حاصل ہے قرآن کریم میں بھی آپ کے متعلق ایک درجن سے زائد مقامات پر آیات مقدسہ نازل ہوئی ہیں جن سے آپ کی شان افضلیت کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اس دُنیا سے میں سب کے احسانات اتار کر جارہا ہوں مگر میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے احسانات کا زیر بار ہوں قیامت کے روز باری تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں عرض کروں گا کہ اس کے احسانات مجھ پر بطور قرض ہیں۔ یا الٰہی میری طرف سے ابابکر صدیق رضؓ کو ان کے احسانات کے عوض نیک بدلہ عطا فرما کر یہ احسانات اتار دے (سبحان اللہ) کتب احادیث میں بھی آپ کے مناقب سے یہ امر حقیقت روز روشن کی طرح واضح دکھائی دیتا ہے کہ خیر الناس بعد الانبیاء مقام سیدنا صدیق اکبر رضؓ کو حاصل ہے۔ آپؓ دو ماہ بعد حضرت علیہ السلام سے دنیا میں تشریف لائے اور دو سال چند ماہ آپؐ کے بعد دُنیا سے اُٹھ گئے۔ آپ زمانۂ جاہلیت میں بھی بڑے پارسا اور متقی شمار ہوتے تھے۔ بلکہ ایک روایت میں آیا ہے آپ کی والدہ صاحبہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جب ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پیٹ میں تھے تو ان دِنوں میں لات و منات (جو زمانہ جاہلیت کے معبود تصوّر کئے جاتے تھے) کو سجدہ کرنے کے لئے جھکتی تو میری کمر ایک انچ بھی ڈھیلی نہ ہوسکتی تھی اور جب تک آپؓ میرے شکم میں رہے میری یہ آرزو کبھی پوری نہ ہوسکی (الحمدللہ) گویا جاہلیت میں بھی آپ کی زندگی اسلامی اصولوں سے مطابقت رکھتی تھی اس لئے جب آپ کو اسلام کی دعوت پیش کی گئی تو آپ نے اسے فوراً تسلیم کر لیا۔ حضرت علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "بلا چون وچرا اسلام قبول کرنے کی وجہ یہی تھی کہ آپ رضؓ اسلام کے اصولوں کی بخوبی تحقیق فرما چکے تھے اس لئے آپ نے دیگر حضرات کی طرح اسلام کی دعوت میں کوئی بحث نہیں کی۔ بلکہ صَدَقْتَ یا رسولؐ اللہ فرما کر ایمان لے آئے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس وقت جب کہ سب لوگ رسالتؐ کی تکذیب کر رہے تھے صرف ابوبکر صدیق رضؓ ہی ایسے تھے جس نے میری سب سے اوّل تصدیق فرمائی۔ ع

یہ رتبہ بلند مِلا جس کو مل گیا

مشرّف بہ اسلام ہونے کے بعد آپ رضؓ آنحضرت علیہ السلام کے ایسے مطیع، خادم اور ایک وفادار شاگرد بن گئے تھے کہ سب اہل وعیال کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ آپؐ کی اجازت کے بغیر کبھی علیحدہ نہ ہوئے۔ سفر وحضر میں پورا پورا ساتھ دیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو چاردانگ عالم میں پھیلانے کے لئے ایسی ماریں کھائیں کہ کفارِ مکہ کو بھی ترس آنے لگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی ایک مجلس میں مناقب صدیق رضی اللہ عنہ بیان کئے تو آبدیدہ ہوگئے پھر فرمایا حاضرین ذرا غور کرو مومنین آلِ فرعون بہتر تھے یا ابابکر رضؓ؟ جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو آپ رضؓ نے فرمایا بلاشک حضرت ابوبکر رضؓ کی عبادت صرف ایک ساعت بھی ان کی ہزار سالہ عبادت سے بہتر ہے وہ اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے اور آپ نے (صدیق اکبر رضؓ نے) علی الاعلان ظاہر کیا۔ اس مضمون کی تائید کے لئے بخاری، مسلم اور مشکوٰۃ میں ایک حدیث بھی بایں الفاظ درج ہے۔ فرمایا لَا تَسُبُّوا اصحابی بعد میں آنے والے لوگو میرے صحابہ رضؓ کو بُرا نہ کہنا فلو ان احدکم انفق مثل جبل اُحد ذھباً۔ اے بعد کے آنے والے لوگو اگر تم میں سے کوئی جبل اُحد کے برابر خُدا کی راہ میں سونا خرچ کرے ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ تو بھی میرے صحابہ رضؓ کے ایک سیر جو یا آدھ سیر جو کے درجہ کو بھی ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر صحابہ کرام رضؓ کا عمل اور لوگوں کے اگرچہ تھوڑا بھی ہو مگر حقیقت میں صحابہ رضؓ ہی کا عمل مقبولیت اور وزن کے اعتبار سے زیادہ ہی ہوگا۔ مگر حضرت رضی اللہ عنہ کا عمل بھی [illegible] ہوا تھا [illegible] والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جس [illegible] ابوبکر رضؓ کے مال سے فائدہ پہنچا اتنا اور کسی سے نہیں ہوا [illegible] آیا ہے کہ حضرت علیہ السلام [illegible] صدیق رضی اللہ عنہ کے مال کو بھی مثل اپنے سرمائے کے تصرّف میں لاتے تھے جب آپ رضؓ مشرّف بہ اسلام

ہوئے تو چالیس ہزار دینار کے مالک تھے جو کہ سب اسلام کی راہ میں خرچ کر ڈالے اس مالی عبادت کے علاوہ بدنی عبادات میں بھی آپؓ سے کوئی سبقت نہ لے سکا۔ زندگی کا اکثر معمول یہ تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد صبح کی نماز تک عبادت میں پوری رات گزار دیتے۔ ہاں بعض اوقات رات کا کچھ حصہ نکال کر بیوگان اور نادار ضعیفہ خاتون کی خدمات کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

حضرت محمد بن علیؓ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون افضل ہے؟ آپؓ نے ارشاد فرمایا ابو بکرؓ اور ان کے بعد عمرؓ۔ حضرت عمرؓ نے بھی ایک بار دوران خطبہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہم سب میں افضل ابو بکر صدیقؓ ہیں اور جو اُس کے خلاف کہے گا وہ مفتری اور جھوٹا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خود اپنا ارشاد بھی ہے کہ جو شخص مجھ کو حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دے گا اس کو دُرّے مارے جائیں۔ اور سزا دی جائے ایک صحابیِ رسولؐ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ اُمّتِ مُحمّدیہ میں حضور علیہ السلام کو کون زیادہ عزیز تھا آپؓ نے جواب دیا حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ حضرت علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر کسی دوسرے کو فضیلت دیتا ہے وہ ظلم کرتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی کُتب میں منقول ہے کہ میری محبّت اور ابو بکرؓ و عمرؓ سے بغض ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ بہر حال آپ کے مناقب کو شمار کرنے کے لئے بڑی ضخیم کُتب بھی ناکافی ہیں اِس مختصر مضمون میں صرف بطورِ ثواب ایک دو نمونے حاضر کئے گئے ہیں اس مضمون سے احقر راقم عفا اللہ عنہ کا مقصد آپ کی خلافت کے چند جستہ جستہ واقعات کا تعارف مقصود ہے۔ کہ اس مردِ مجاہدؓ نے کس ہمّت و استقلال سے ان مشکلات و فتن پر قابو پایا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد معاً پیدا ہو گئے تھے اگر خلافت کے لئے بر وقت صدیق اکبرؓ کا انتخاب عمل میں نہ آتا تو ممکن تھا کہ یہ مشکلات بے قابو ہو جاتیں اور دعویٰ ہائے نبوّت، کاذبہ انکارِ زکوٰۃ وغیرہ کے فتنے لاینحل ثابت ہوتے جیسا کہ حالات کا تقاضا تھا لیکن صدیق اکبرؓ نے تختِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی سب سے پہلے ان فتنوں کے قلع قمع کرنے میں انتہائی طاقت صرف کر دی اور اسلام کے بچاؤ کے لئے اُن کو جو کچھ کرنا چاہیئے تھا کر گزرے فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

خلافتِ صدیقی اور فتنوں کا ظہور

آپ نے زمامِ خلافت کو ہاتھ میں لے کر جب مقبوضاتِ اسلام کا جائزہ لیا اور بگڑے ہوئے حالات سُنے تو فوراً اندرونِ مُلک اعلانِ جہاد کر دیا اور جا بجا مُنادی کرا دی کہ جو شخص احکاماتِ اسلام کی معمولی مخالفت یا خلاف ورزی کرتے ہوئے پایا گیا تو اُس کو اُسی وقت اسلامی قوانین اور ضابطہ ہائے جہاد کے ماتحت سنگین سزائیں دی جائیں گی اور یہ سزائیں بلا امتیاز امیر وغریب اور عربی وغیر عربی کے منظرِ عام پر نفاذ پذیر ہوں گی اور جو شخص ان سزاؤں میں مداخلت کرے گا یا اُن کے نفاذ میں مزاحم ہو گا وہ بھی مجرم قرار پائے گا۔ اور مستوجب سزا ہو گا۔ یہ وقت اگرچہ اس قابل نہ تھا کہ اہالیانِ ملک پر یہ اسلامی مارشل لاء مسلّط کیا جاتا اور ان کو سخت فوجی قوانین میں جکڑ کر بے دست و پا کر دیا جاتا کیونکہ ایک طرف تو آنحضرت علیہ السلام کی وفاتِ حسرت آیات سے لوگوں کے قلب و جگر صدمہ رسیدہ تھے اور وہ خون کے آنسو رو رہے تھے اور دوسری طرف یہ اعلانِ جہاد خود کلمہ گویان کے خلاف تھا چنانچہ بعض اکابرینِ صحابہؓ نے آپ کو اعلانِ جہاد واپس لینے کا مشورہ بھی دیا اور اس میں حضرت عمرؓ کا بھی یہی خیال تھا کہ اعلانِ جہاد واپس لیا جائے لیکن آپ نے اس مشورہ کو شرفِ قبولیت نہ بخشا جب اس جہاد کے نتائج محافظِ اسلام ثابت ہوئے تو منع کرنے والے اکابرینؓ نے بھی آپ کے شرحِ صدر کے حق بجانب ہونے کا بصمیم قلب اقرار کر لیا۔ نبی کریم علیہ السّلام کے دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اسلام کو تین چار فتنوں کا سامنا کرنا پڑا کہ اگر خدانخواستہ صدیق اکبرؓ کی خلافت اس کا دفاع نہ کرتی تو آج اسلام کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے نہ ہوتا۔ ان میں سے پہلا فتنہ منکرینِ زکوٰۃ کا پیش آیا۔ مانعینِ زکوٰۃ اگرچہ کلمہ گو تھے اور بقیہ اسلام کے احکامات کو بھی تسلیم کرتے تھے ان کا صرف ایک نعرہ تھا کہ لا نئودی زکوٰۃ۔ ہم صرف زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے لیکن ان کا یہ انکار تمام ارکانِ اسلام کے انکار کو مستلزم تھا اس لئے کہ جزو کی نفی سے کل کا انتفاء لازم آتا ہے اس لئے اعلانِ جہاد ہوا۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں کا انکار صرف مویشیوں وغیرہ کی زکوٰۃ کا انکار تھا۔ عمومی زکوٰۃ کے وہ بھی قائل تھے مگر مویشیوں کی زکوٰۃ کا انکار کر دیا تھا۔ مانعینِ زکوٰۃ در اصل مسلمانوں کے بیت المال کو کمزور کر رہے تھے اس لئے آپ نے فرمایا میں تو جب تک ایک بھی منکرِ زکوٰۃ موجود ہے جہاد کرتا رہوں گا۔ آپ کے جہاد سے جب تک اس فتنہ کا قلع قمع نہ ہوا جہاد جاری رہا۔

منکرینِ ختمِ نبوّت سے جہاد

نبوّت و رسالت آنحضرت علیہ السلام پر ختم ہے۔ آپؐ دُنیا کے آخری نبی ہیں۔ کیونکہ نزولِ وحی منقطع ہے اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے احکامات کے نازل ہونے کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ بنا بر علیہ آپ کے بعد کسی قسم کی نبوّت و رسالت کا دعویٰ کرنا نقصانِ دین ہے گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبیین اور آخری رسول ماننے میں اِتمامِ دین اور تکمیلِ اسلام ہے اور آپ کے بعد نبوّت و رسالت کو جاری سمجھنا گو یا کہ تنقیصِ دین اور توہینِ اسلام ہے اسی لئے صدیق اکبرؓ نے واضح لفظوں میں فرمایا کہ۔

انقطع الوحی وتمّ الدّین ، أینقص وانا حیٌّ

وحی بند ہو چکی ہے اور دینِ اسلام مکمل ہو چکا ہے کیا اسے میری زندگی میں کم کیا جائے گا ؟ ہرگز نہیں گویا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ میں اپنی زندگی میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا کہ لوگ آنحضرت ﷺ کے بعد کہیں کہ وحی بند نہیں بلکہ ابھی تک نبوت و رسالت کا دروازہ کھلا ہوا ہے ۔ اور آپ کے بعد مستقل یا غیر مستقل ظلی بروزی شرعی اور غیر شرعی مصنوعی نبی آتے رہیں گے ۔ اسی بناء پر خلیفہ برحق حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کذاب اور طلیحہ وغیرہ مدّعیانِ نبوت کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اس پہلی تحریکِ ختمِ نبوّت میں جس کی قیادت حضرت صدیق اکبرؓ فرما رہے تھے ۔ بارہ ۱۲ سو حافظِ قرآن صحابہؓ سمیت آٹھ ہزار صحابہؓ رسول کو شہید کرا کے منکرینِ ختم نبوت کی سرکوبی کی خالد بن ولیدؓ کی سپاہ سالاری میں یمامہ میں یہ جنگ لڑی گئی ۔ بالآخر اس ملعون مسیلمہ کذاب کو وحشی قاتل حضرت حمزہؓ نے قتل کیا بوقت قتلِ مسیلمہ کذاب کی عمر ڈیڑھ سو برس تھی اور وحشی اس ملعون کو قتل کرنے کے بعد بہت خوش ہوا کہ اگر اسلام کے ایک عظیم مجاہد کا قتل میرے ہاتھ ہوا ہے تو اس کے بعد اب حالتِ اسلام میں اس مرتد کی گردن بھی میں نے اڑا دی ہے ۔ مسیلمہ کذّاب یا اسود عنسی وغیرہ مدّعیانِ نبوت کا جُرم آج کے مدعیانِ نبوّت کے جُرم سے کوئی مختلف نہیں تھا ۔ وہ لوگ بھی اسلام سے مشرّف ہونے کے بعد مدعی نبوّت ہو گئے تھے ۔ مسیلمہ کذّاب نے بھی اعلان کیا تھا کہ اب نبوّت مدینہ منوّرہ سے منتقل ہو کر میرے پاس آگئی ہے اسی طرح ہماری صدی کے مدّعی نبوت غلام احمد قادیانی کذّاب نے بھی کہا تھا کہ مکہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ کی چھاتیوں کا دودھ خشک ہو چکا ہے اور اب ہمارا شہر قادیان ارضِ حرم ہو کر قابلِ احترام ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کو مُرتد قرار دیا جائے اور دوسرے کو مجدّد دین، مثیل مسیح اور ظلی بروزی نبی لاحول ولا قوۃ ۔ جب کہ دونوں کا کردار مکمل طور پر ملتا جلتا ہے ۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے ملاحظہ فرمایا کہ جنگ مسیلمہ کذّاب میں بہت سے حافظِ قرآن شہید ہو گئے ہیں اسی طرح اگر اور جنگوں میں کلام پاک کے حافظ کہیں کم ہوتے گئے تو اس طرح ہمیں ایک نئی آزمائش سے دوچار ہونا پڑے گا چنانچہ اس اندیشے کو آپؓ نے حضرت امیر المؤمنین صدیق اکبرؓ کے سامنے پیش کیا تو مشورہ ہوا کہ قرآن کریم ایک جگہ جمع کیا جائے ۔ یہ شرف بھی ربِّ کریم نے آپکو بخشا کہ آپ کی خلافت میں قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کیا گیا ۔ اس عظیم مقصد کے لئے حضرت زید بن ثابتؓ (کاتبِ وحی) نے کاغذ کے پرچوں ، ہڈیوں ، درختوں کے پتوں کو جمع کر کے قرآن کریم مرتّب فرمایا اور حضرت خلیفہ اوّل کی خدمتِ اقدس میں پیش فرمایا یہی مصحف تھا جو حضرت عمرؓ کے پاس رہا آپ کے بعد ام المؤمنین بی بی حفصہ بنت عمرؓ کے پاس آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جمع القرآن کا سب سے بڑا اجر حضرت ابو بکرؓ کو ملیگا ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسی قرآن کریم کی نقلیں کرا کے مختلف بلادِ اسلامیہ میں بھجوا دی تھیں حضرت ابو بکر صدیقؓ تفسیر القرآن اور علم القرآن کے سب سے بڑے عالم تھے آپ کے زمانہ میں کوئی بزرگ آپ کے برابر علمی مقام نہیں رکھتا تھا جب کسی معاملہ میں صحابہ کرامؓ میں اختلاف واقع ہوتا تھا تو سب آپؓ سے رجوع کرتے تھے اور آپؓ کا فیصلہ ایسا جچا تُلا ہوتا تھا کہ کسی کو اس میں دم مارنے کی مجال نہ ہوتی تھی حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشادِ گرامی ہے کہ سب سے اچھی محبّت ابو بکر صدیقؓ کی ہے آپ کی اخوّت اسلامی اور خاص محبت ہمیشہ رہے گی ۔ سب صحابہ کرامؓ میں چونکہ آپؓ ہی علم قرآن کے بڑے ماہر تھے اسی وجہ سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز میں امام بنایا ارشاد ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ سے بڑھ کر امامت کا مستحق کوئی نہیں کیونکہ آپؓ کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں ، علم القرآن کے علاوہ سُنّت رسولؐ کا علم بھی ایسا ہی تھا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضِ صحبت ابتداء بعثت سے وفات تک حاصل رہا باوجود ان کے کہ بادی النظر میں تعجّب ضرور ہوتا ہے کہ آپؓ سے احادیث کا ذخیرہ زیادہ مروی نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی عمر بہت کم رہی ہاں اگر کچھ زمانہ بعد تک آپ کی حیات بمشیّت الٰہی قائم رہتی تو غالباً آپ کی روایات کل اصحابؓ کبار سے بڑھ جاتیں اس کے علاوہ بھی مؤرخین نے اور کئی عذر لکھے ہیں جس کی وجہ سے آپ کی روایات کا سلسلہ محدود ہے ۔

وفات

حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کی وفات کا سب سے بڑا صدمہ حضرت صدیق اکبرؓ کو ہوا جس کا بظاہر آپ نے اظہار نہ کیا مگر اس شدید صدمہ کے باعث آپؓ برابر ضعیف ہوتے گئے منقول ہے کہ جب آپؓ سانس لیتے تو جلے ہوئے گوشت کی خوشبو آتی تھی ۔ مرض الموت میں امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ نے علاج کا مشورہ دیا اور کسی طبیب کو طبیعت دکھانے پر زور دیا تو آپ نے فرمایا کہ حکیم نے مجھے دیکھ لیا ہے ۔ بی بی صاحبہؓ نے دریافت فرمایا کہ ابا جی حکیم نے کیا کہا ہے ؟ فرمایا اس نے فرمایا ہے ۔ اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۔ میں جو ارادہ کرتا ہوں وہ کر ڈالتا ہوں بی بی صاحبہؓ یہ سُن کر خاموش ہو گئی تھیں ۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان غنیؓ سے حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت تحریر کرائی اپنی جائیداد تقسیم فرمائی اور کچھ جائیداد کو فروخت کر کے خلافت کے دوران لی گئی بیت المال سے ضروریاتِ زندگی کو ادا کرنے کی وصیّت فرمائی اور امّ المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہؓ کو اپنی پرانی دو چادروں کو دھو کر کفن دینے کے لئے تاکید کی اور دُنیاء کائنات کا عظیم ترین خیر الناس بعد الانبیاء دُنیا سے رُخصت ہو گیا ۔ آپؓ کے انتقال سے دنیائے اسلام میں عموماً اور مدینہ میں خصوصاً کہرام مچ گیا ۔ بعد از انتقال ؏

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

غار کا ساتھی مزار کا ساتھی بن گیا ؎

پروانے کو چراغ ہے بُلبل کو پھول بس

صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

وحی بند ہو چکی ہے اور دینِ اسلام مکمل ہو چکا ہے کیا اسے میری زندگی میں کم کیا جائے گا؟ ہرگز نہیں گویا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ میں اپنی زندگی میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا کہ لوگ آنحضرتؐ کے بعد کہیں کہ وحی بند نہیں بلکہ ابھی تک نبوّت و رسالت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور آپ کے بعد مستقل یا غیر مستقل ظلی بروزی شرعی اور غیر شرعی مصنوعی نبی آتے رہیں گے۔ اسی بناء پر خلیفہ برحق حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کذاب اور طلیحہ وغیرہ مدعیانِ نبوت کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اس پہلی تحریکِ ختمِ نبوت میں جس کی قیادت حضرت صدیق اکبرؓ فرما رہے تھے۔ بارہ سو حافظِ قرآن صحابہؓ سمیت آٹھ ہزار صحابہؓ رسول کو شہید کرا کے منکرینِ ختمِ نبوت کی سرکوبی کی خالد بن ولیدؓ کی سپاہ سالاری میں یمامہ میں یہ جنگ لڑی گئی۔ بالآخر اس ملعون مسیلمہ کذاب کو وحشی قاتل حضرت حمزہؓ نے قتل کیا بوقت قتلِ مسیلمہ کذاب کی عمر ڈیڑھ سو برس تھی اور وحشی اس ملعون کو قتل کرنے کے بعد بہت خوش ہوا کہ اگر اسلام کے ایک عظیم مجاہد کا قتل میرے ہاتھ ہوا ہے تو اس کے بعد اب حالتِ اسلام میں اس دجال کی گردن بھی میں نے اڑا دی ہے۔ مسیلمہ کذّاب یا اسود عنسی وغیرہ مدعیانِ نبوت کا جرم آج کے مدعیانِ نبوّت کے جرم سے کوئی مختلف نہیں تھا۔ وہ لوگ بھی اسلام سے مشرّف ہونے کے بعد مدعی نبوّت ہو گئے تھے۔ مسیلمہ کذّاب نے بھی اعلان کیا تھا کہ اب نبوّت مدینہ منورہ سے منتقل ہو کر میرے پاس آگئی ہے اسی طرح ہماری صدی کے مدعی نبوت غلام احمد قادیانی کذّاب نے بھی کہا تھا کہ مکہ مکرّمہ اور مدینہ منورہ کی چھاتیوں کا دودھ خشک ہو چکا ہے اور اب ہمارا شہر قادیان ارضِ حرم ہو کر قابلِ احترام ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کو مرتد قرار دیا جائے اور دوسرے کو مجدّد دین، مثیلِ مسیح اور ظلی بروزی نبی لاحول ولا قوۃ۔ جب کہ دونوں کا کردار مکمل طور پر ملتا جلتا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے ملاحظہ فرمایا کہ جنگ مسیلمہ کذّاب میں بہت سے حافظ قرآن شہید ہو گئے ہیں اسی طرح اگر اور جنگوں میں کلام پاک کے حافظ کہیں کم ہوتے گئے تو اس طرح ہمیں ایک نئی آزمائش سے دوچار ہونا پڑے گا چنانچہ اس اندیشے کو آپؓ نے حضرت امیر المؤمنین صدیق اکبرؓ کے سامنے پیش کیا تو مشورہ ہوا کہ قرآن کریم ایک جگہ جمع کیا جائے یہ شرف بھی ربّ کریم نے آپ کو بخشا کہ آپ کی خلافت میں قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ اس عظیم مقصد کے لئے حضرت زید بن ثابتؓ (کاتب وحی) نے کاغذ کے پرچوں، ہڈیوں، درختوں کے پتوں کو جمع کر کے قرآن کریم مرتّب فرمایا اور حضرت خلیفہ اوّل کی خدمتِ اقدس میں پیش فرمایا یہی مصحف تھا جو حضرت عمرؓ کے پاس رہا آپ کے بعد ام المؤمنین بی بی حفصہ بنت عمرؓ کے پاس آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جمع القرآن کا سب سے بڑا اجر حضرت ابوبکرؓ کو ملیگا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسی قرآن کریم کی نقلیں کرا کے مختلف بلادِ اسلامیہ میں بھجوا دی تھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ تفسیر القرآن اور علم القرآن کے سب سے بڑے عالم تھے آپ کے زمانہ میں کوئی بزرگ آپ کے برابر علمی مقام نہیں رکھتا تھا جب کسی معاملہ میں صحابہ کرامؓ میں اختلاف واقع ہوتا تھا تو سب آپؓ سے رجوع کرتے تھے اور آپؓ کا فیصلہ ایسا جچا تلا ہوتا تھا کہ کسی کو اس میں دم مارنے کی مجال نہ ہوتی تھی حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد گرامی ہے کہ سب سے اچھی محبت ابوبکر صدیقؓ کی ہے آپ کی اخوّت اسلامی اور خاص محبت ہمیشہ رہے گی۔ سب صحابہ کرامؓ میں چونکہ آپؓ ہی علم قرآن کے بڑے ماہر تھے اسی وجہ سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز میں امام بنایا ارشاد ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر امامت کا مستحق کوئی نہیں کیونکہ آپؓ کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں، علم القرآن کے علاوہ سنّت رسولؐ کا علم بھی ایسا ہی تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت ابتداء بعثت سے وفات تک حاصل رہا باوجود ان کے کہ بادی النظر میں تعجّب ضرور ہوتا ہے کہ آپؓ سے احادیث کا ذخیرہ زیادہ مروی نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی عمر بہت کم رہی ہاں اگر کچھ زمانہ بعد تک آپ کی حیات بمشیّت الٰہی قائم رہتی تو غالباً آپ کی روایات کل اصحابؓ کبار سے بڑھ جاتیں اس کے علاوہ بھی مؤرخین نے اور کئی عذر لکھے ہیں جس کی وجہ سے آپ کی روایات کا سلسلہ محدود ہے۔

وفات

حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کی وفات کا سب سے بڑا صدمہ حضرت صدیق اکبرؓ کو ہوا جس کا بظاہر آپ نے اظہار نہ کیا مگر اس شدید صدمہ کے باعث آپؓ برابر ضعیف ہوتے گئے منقول ہے کہ جب آپؓ سانس لیتے تو جلے ہوئے گوشت کی خوشبو آتی تھی۔ مرض الموت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ نے علاج کا مشورہ دیا اور کسی طبیب کو طبیعت دکھانے پر زور دیا تو آپ نے فرمایا کہ حکیم نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ بی بی صاحبہؓ نے دریافت فرمایا کہ ابا جی حکیم نے کیا کہا ہے؟ فرمایا اس نے فرمایا ہے۔ اِنّی فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ میں جو ارادہ کرتا ہوں وہ کر ڈالتا ہوں بی بی صاحبہؓ یہ سن کر خاموش ہو گئی تھیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان غنیؓ سے حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت تحریر کرائی اپنی جائیداد تقسیم فرمائی اور کچھ جائیداد کو فروخت کر کے خلافت کے دوران لی گئی بیت المال سے ضروریات زندگی کو ادا کرنے کی وصیّت فرمائی اور ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہؓ کو اپنی پرانی دو چادروں کو دھو کر کفن دینے کے لئے تاکید کی اور دنیاء کائنات کا عظیم ترین خیر الناس بعد الانبیاء دنیا سے رخصت ہو گیا۔ آپؓ کے انتقال سے دنیائے اسلام میں عموماً اور مدینہ میں خصوصاً کہرام مچ گیا۔ بعد از انتقال عمرؓ

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا
غار کا ساتھی مزار کا ساتھی بن گیا ہے
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

قسط ۲ دوم

مولانا عتیق احمد قاسمی بستوی

تحریکِ خلافت ــــ میری نظر میں

تحریک خلافت درحقیقت ایک پورے عہد اور پورے عالم کی تاریخ ہے۔ اس تحریک کا تعلق صرف ہند و پاک سے نہیں بلکہ ممالک عربیہ، ترکی، برطانیہ، جاپان، جرمنی، روس اور تمام دنیا سے ہے۔ انیسویں اور بیسوی صدی میں ان ممالک کے کیا حالات تھے، وہاں کی تہذیب و ثقافت کیا تھی؟ ان ممالک کے سوچنے سمجھنے کا انداز کیا تھا؟ کون سی تنظیمیں اور حکومتیں وہاں کام کر رہی تھیں؟ ان سوالات کا جواب معلوم کئے بغیر اس موضوع کا حق ادا کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

پھر تحریک خلافت کا دور ہنگامہ خیز اور طوفانی دور تھا۔ ہر ملک اپنے حریف کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کے پروپگنڈے کرتا۔ بے بنیاد باتوں کو شہرت دیتا، خاص طور سے برطانیہ اور اس کے حلیفوں کو پروپگنڈہ اور مکر و تزویر میں استادانہ مہارت حاصل کی تھی۔ انہوں نے اپنے ذرائع ابلاغ اور نشر و اشاعت کو استعمال کر کے اپنے حریف ممالک اور سیاسی مخالفین کو بری طرح بدنام کیا۔ لیکن وہ طوفانی دور گذرنے کے بعد انصاف پسند مورخین نے حقائق کو پیش کر کے مکر و تزویر کا جامہ چاک چاک کر دیا۔ ہر ملک کے منصف، اہل قلم نے بعد میں چھان بین کر کے اپنے ملک کی تاریخ مرتب کی اور تحریک خلافت سے متعلق ایسی معلومات سامنے آئیں جس سے اس تحریک کے بارے میں نئی باتیں علم میں آئیں۔ اس [illegible] لئے [illegible] پر قلم اٹھانے والے کے لئے ضروری ہے کہ دورِ حاضر کے مصنفین نے سالہا سال کی تلاش و جستجو کے بعد تحریک خلافت کے دور کے حالات، اس دور کی ممتاز شخصیات، تحریکوں تنظیموں پر جو کتابیں لکھی ہیں ان کا غور و فکر سے مطالعہ کرے۔ اسی طرح اس دور کے اخبار و رسائل کی فائلیں باقاعدگی کے ساتھ دیکھے۔

غرضیکہ تحریک خلافت کی تاریخ لکھنے کے لئے جس محنت و مطالعہ، تلاش و تحقیق کی ضرورت تھی قاضی صاحب اپنے ضعف و ناتوانی اور مجبوریوں کی وجہ سے اس سے قاصر رہے۔ انہوں نے خط اعتراف کیا ہے کہ

"تحریک خلافت پر قلم اٹھانے کے معنی یہ تھا کہ عصر قدیم کی رعنائیوں اور عصر حاضر کے طلوع ہونے والے آفتاب کی تابناکیوں کا مطالعہ کیا جائے۔ بستی جیسے دور افتادہ مقام پر نہ اس کے لئے کتابیں میسّر تھیں اور نہ اخبارات اور نہ میرے پاس اتنا وقت تھا کہ میں تلاش میں سفر کروں۔ اس لئے جو کچھ میسّر تھا اسی پر اکتفا کرنی پڑی۔ جہاں تک تحریک خلافت کی تاریخ کا سوال ہے، اس کے تحقیقاتی مطالعہ کے لئے اخبارات کی فائلیں درکار تھیں۔ لیکن بجز مشرق (گورکھپور) اور زمیندار لاہور کے چند پرچوں کے جو ایک عزیز کے ہاں محفوظ تھے ہمدم (لکھنؤ) سیاست (امرتسر) مدینہ (بجنور) اور بندے ماترم (لاہور) وغیرہ کی فائل نہ مل سکی ... اس عظیم کام کا بوجھ اٹھانے کے لئے میرے کندھے کمزور تھے۔ لیکن میں نے ہمت کر کے اس کو انجام دیا۔ اگر اسے نقش اوّل تصوّر کر کے کسی صاحب عزم میں نقش ثانی کی ترغیب پیدا ہو تو میں اسے اپنی کامیابی سمجھوں گا۔"

جناب قاضی عدیل عباسی صاحب کی اس تحریر کے بعد ہمیں مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے۔ قاضی صاحب کا یہی بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا اور تحریک خلافت جس میں وہ خود شریک تھے اپنے مشاہدات اور معلومات کی روشنی میں شستہ اور شائستہ انداز میں اس کی تاریخ لکھ دی اور مطالعہ و محنت، اخبار و رسائل کی چھان بین، عربی، انگریزی، اردو، ہندی کی جدید تاریخی تصنیفات کا عمیق مطالعہ، اس تحریک کی تفصیلی اور تحقیقی تاریخ مرتب کرنے کا کام نئی نسل کے لئے چھوڑ دیا ـــ اس تمہید کے بعد چند موضوعات کے متعلق اپنے مطالعہ کی بنا پر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

خلیفہ عبدالحمید اور مصطفیٰ کمال پاشا

قاضی صاحب کی نظر میں:

مصنف نے کتاب میں مصطفیٰ کمال پاشا کی بہت تعریف کی ہے اور خلیفہ عبدالحمید

ثانی کو انگریزوں کا غلام، قوم وملت کا غدار، روباہ صفت، ظالم وسفاک قرار دیا ہے۔ بڑی تکلیف کے ساتھ مجھے یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ خلیفہ عبدالحمید ثانی پر تنقید بلکہ ان کی انتہائی تنقیص کرتے ہوئے محترم جناب قاضی صاحب کا قلم اپنی عام روش کے برخلاف متانت وشائستگی کے جادہ سے ہٹ گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"انگریزوں کے اثر میں اچھے اچھے تعلیم یافتہ انشاء پرداز، صوفی منش علماء اور زعما آگئے تھے اور وہ جو چیز بھی پھیلاتا تھا اسے قرآن وحدیث کی طرح وحی ربانی تصور کرتے تھے۔ ان میں علماء سوء، زاغ صفت صوفی جن کو میراث میں عقابوں کے نشیمن ملے تھے اور بہت جاہ طلب غلامان فرنگ تھے۔ کس کس کا نام لیا جائے ان سب نے ایسے ایسے افسانے سلطان عبدالحمید کی تعریف میں وضع کئے تھے کہ باید وشاید۔ اگر ان افسانوں کو یہاں درج کیا جائے تو پوری ایک کتاب ہو جائے۔"

(تحریک خلافت ص۲۸)

مصنف کو اپنے مطالعہ وتحقیق کی روشنی میں ہر شخصیت اور تحریک پر رائے قائم کرنے کا حق ہے۔ لیکن یہ بات تاریخ نویسی کے اصولوں کے خلاف ہے کہ اپنی تحقیق کو بیان کرتے ہوئے آدمی جذباتیت کا شکار ہو جائے اور دوسرا نقطۂ نظر رکھنے والوں کو طعن وملامت کا نشانہ بنائے

خلیفہ عبدالحمید ثانی کا معروضی مطالعہ

الفرقان کے صفحات کی تنگ دامانی کا خیال کرتے ہوئے ہم مصطفیٰ کمال پاشا اور خلیفہ عبدالحمید ثانی کے بارے میں تفصیلی گفتگو نہیں کریں گے بلکہ مختصر طریقہ پر محترم جناب قاضی عدیل صاحب کو مطالعہ وتحقیق کی دعوت دے کر ہم اور قلم کو روک لیں گے۔

خلیفہ عبدالحمید ثانی کی پیدائش ۱۸۴۲ء میں ہوئی۔ ۱۸۷۶ء میں آپ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی، ارکان سلطنت، امراء، وزراء، علما، عوام کے پیہم اصرار پر انہوں نے انتہائی نازک وقت میں ترکی سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی۔ اس وقت ترکی اقتصادی، معاشی، سیاسی، فوجی حیثیت سے سنگین حالات سے دوچار تھا۔ خزانہ تقریباً خالی تھا۔ خلافت ترکی غیر ملکی قرضوں کے نیچے دم توڑ رہی تھی۔ اس عظیم الشان سلطنت کا حصہ بخرا کرنے کے لئے یورپ والشیا کی تمام غیر مسلم سلطنتیں متفق ہو چکی تھیں۔ ترکی کو "مرد بیمار" کا خطاب دیا گیا تھا۔ اپنے مکروتزویر اور سیاست سے برطانیہ نے عربوں اور ترکی محروسات کے دوسرے باشندوں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ برسر اقتدار آتے ہی خلیفہ عبدالحمید کو اندرونی، بیرونی سازشوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تمام غیر اسلامی دنیا خصوصاً برطانیہ نے اس کے خلاف پروپگنڈہ تیز سے تیز تر کر دیا۔ مغربی مورخین نے اسے ایک ظالم، جابر، خونخوار، غیر دانشمند رجعت پسند حکمران کے روپ میں پیش کیا۔ اور آج بھی اسی انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ صاحب المنجد نے (جو عیسائی ہے) اسے سلطان احمر (خونی سلطان) کے لقب سے یاد کیا ہے۔

یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ اس غیور، دانشمند، مدبر خلیفہ نے برطانیہ اور دوسری بڑی طاقتوں کا آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے اسلام کے نام پر تمام مسلمانوں کو متفق کرنے کی تحریک چلائی تھی۔ وہ برطانیہ کی گندی سیاست کا کامیابی کے ساتھ جواب دے رہا تھا۔ اس کی جرأت وشجاعت، سیاست وتدبر، پالیسی حکمت عملی نے ایک بار پھر یورپ کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دیا تھا۔ مغربی مصنفین کے اس متعصبانہ طرز عمل پر خود یورپ کے بعض منصف مزاج اہل قلم چیخ پڑے چنانچہ برطانیہ کی ایک خاتون جس نے ترکی اور خلیفہ عبدالحمید کے حالات کا قریب سے مطالعہ کیا تھا اس نے جھوٹے پروپگنڈے کا پردہ چاک کرنے کے لئے ایک کتاب تصنیف کی اور بہت تفصیل کے ساتھ خلیفہ عبدالحمید پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا۔ اس خاتون نے خلیفہ کے اخلاق عادات، سادگی، مذہبیت، سیاست وتدبر، بے تعصبی، عدل وانصاف کا تفصیلی نقشہ کھینچا اور ان کے دور میں ترکی کو جو ہمہ جہتی ترقی حاصل ہوئی اسے اعداد وشمار کی روشنی میں پیش کیا۔ انشاء اللہ خاں مرحوم ایڈیٹر وکیل (امرتسر) نے اردو میں اس کتاب کا ترجمہ "عہد حکومت الغازی عبدالحمید خاں ثانی" کے نام سے کیا اور چند ضمیموں کے ساتھ اسے شائع کیا تھا۔

خلیفہ عبدالحمید پر ایک بے بنیاد الزام:

خلیفہ عبدالحمید ثانی پر قاضی صاحب نے ایک الزام یہ عائد کیا ہے کہ اس نے جدید طریقہ حرب کو نظر انداز کر کے عسکریت کا خاتمہ کر دیا۔ اصلاحات کی مخالفت کی جس کسی نے اصلاح کی طرف توجہ دلائی اسے روباہ صفت سلطان نے خاموشی سے قتل کرا دیا۔ یہ الزام بھی بالکل خلاف حقیقت اور ترکی کے دشمنوں کے پروپگنڈے سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ عبدالحمید نے اپنے دور میں ترکی کو ہر طرح کی ترقی دی۔ زرعی، تجارتی، اقتصادی، اصلاحات کے ساتھ اس نے جدید طریقۂ حرب

کو اپنانے کی کامیاب کوشش کی۔ شیخ حسن آفندی نے اپنی عربی کتاب "نبذة تاریخیة فی المآثر الحمیدیہ" میں بہت تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے کہ خلیفہ عبدالحمید نے اپنے دور میں کیا کیا اصلاحات کیں۔ زرعی اور اقتصادی اعتبار سے ترکی کو کتنا آگے بڑھایا۔ اپنی فوج کو جدید آلات حرب اور طریقہ حرب سے لیس کرنے میں کس قدر کامیابی حاصل کی شیخ حسن آفندی کی کی کتاب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ قاضی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس وقت کے ترکی اور اسلام کے دشمنوں کے پروپگنڈے سے تاثر کا نتیجہ ہے۔ کاش قاضی صاحب اس کتاب سے واقف ہوتے۔

صہیونیت چراغ پا:

یہودیوں کی عالمگیر صہیونی تحریک (جو روس، امریکہ، یورپ کی سیاست، صحافت، تجارت، مالیات پر کنٹرول کئے ہوئے تھی) بھی سلطان پر چراغ پا ہوگئی۔ منشی عبدالرحمٰن خان نے اپنی کتاب "عالمگیر یہودی منصوبہ" میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

"اگست ۱۸۹۷ء میں باسل کے مقام پر یہودیوں کی پہلی کانفرنس ہوئی جس میں سرزمین فلسطین پر یہودیوں کے وطن کے قیام کی جدوجہد کا فیصلہ کیا گیا۔ یہودیوں نے فلسطین کے بارے میں مراعات حاصل کرنے کے لئے مشہور یہودی ڈاکٹر ہرٹزل کو مقرر کیا تاکہ فلسطین میں ایک خود مختار حکومت کے قیام کے لئے راستہ ہموار کیا جاسکے اس غرض کے لئے ایک طرف تو اس نے ترکی کے اندر اپنی ریشہ دوانیاں شروع کردیں اور دوسری طرف ۱۸۹۸ء میں جرمنی کے قیصر ولیم کو شیشہ میں اتار کر اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ ترکی کے دورہ کے دوران سلطان عبدالحمید سے یہودیوں کو فلسطین میں زمین خریدنے اور وہاں آباد ہونے کی اجازت لے دے۔ قیصر ولیم نے جب اس موضوع پر سلطان سے گفتگو کرنی چاہی تو وہ ٹال گئے اور قیصر نے اس خوف سے اس بات پر زور نہیں دیا کہ کہیں برلن کو بغداد سے ملانے والی ریلوے لائن جرمنی کے ہاتھ سے نہ جاتی رہے۔

سلطان عبدالحمید کو ڈاکٹر ہرٹزل کی ریشہ دوانیوں کا علم ہوگیا تو انہوں نے ۱۹۰۲ء میں ایک خط کے ذریعے اس کو اپنی ریشہ دوانیوں سے باز رہنے کی سخت تنبیہ کی جس کا مضمون خود ڈاکٹر ہرٹزل نے ۱۹۳۴ء میں تل ابیب میں شائع کردیا اپنی ڈائری میں یوں نقل کیا ہے:

ڈاکٹر ہرٹزل کو بتادو کہ وہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست کے قیام کی تمام کوششیں ختم کردے۔ جب تک عثمانی سلطنت کا ایک غیور فرد بھی زندہ ہے اسے فلسطین نہیں مل سکتا۔"

ڈاکٹر ہرٹزل کی ناکامی کے بعد یہودیوں نے ترکی کی "مجلس اتحاد و ترقی" (جس کا ایک ممبر مصطفیٰ کمال پاشا بھی تھا) میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنا شروع کردیا جو خفیہ ذرائع سے سلطان عبدالحمید کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے سرگرم عمل تھی۔ چنانچہ یہ مجلس اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی اور شوکت پاشا نے فوج کی مدد سے ۱۹۰۹ء میں حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ ۱۹۱۳ء میں جو وزارت بنی اس میں یہودیوں نے اپنی عیاریوں سے پراٹوکول میں طے شدہ منصوبہ کے تحت مندرجہ ذیل تین یہودی نژاد وزیر شامل کردیئے۔

۱۔ اجاریہ آفندی، یہ ردمانیہ کا رہنے والا تھا اور ایک یہودی اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ اسے تعمیرات عامہ کا محکمہ سونپا گیا۔ ۲۔ نسیم مزلک، اسے تجارت و زراعت کا محکمہ دیا گیا۔ ۳۔ جاوید بے، یہ محکمہ مالیات کا انچارج تھا۔

۱۹۱۴ء میں ان یہودی وزیروں نے ایک قانون پاس کرادیا کہ یہودیوں کو فلسطین میں جائداد بنانے کی اجازت دی جائے۔ یہ قانون پاس کرانے کے بعد ان وزیروں نے سلطان کی فلسطینی جاگیریں دھڑا دھڑ یہودیوں کے ہاتھ بیچنی شروع کردیں، جو کہ فلسطین کی سب سے زیادہ زرخیز زمینیں تھیں، اسے یہودی تنظیموں نے مشترکہ طور پر خرید لیا۔"

(صفحہ ۱۲-۱۳-۱۴)

چند مزید شہادتیں:

مجمع البحوث الاسلامیۃ کے فاضل رکن استاذ توفیق القصار نے اپنے مقالہ "الصہیونیہ العالمیہ وماساۃ فلسطین العربیۃ" میں اور جامعۃ الدول العربیہ کے سیکریٹری ڈاکٹر سید توفل نے اپنے مقالہ "الصہیونیۃ وفلسطین" میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ فلسطین کے بارے میں خلیفہ عثمانی سے مراعات نہ ملنے کے بعد یہودیوں نے "انجمن اتحاد و ترقی" میں اثر و رسوخ پیدا کیا اور انہیں آلہ کار بناکر سرزمین فلسطین پر پنجے جمائے۔ یہ دونوں مقالے مجمع البحوث الاسلامیہ مصر کی کتاب المؤتمر الرابع۔ المسلمون والعدوان الاسرائیلی میں شائع ہوئے ہیں۔ شیخ حسن آفندی نے بھی اپنی کتاب میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ "انجمن اتحاد و ترقی" غیر ملکی حکومتوں اور تنظیموں کی شہ پر خلیفہ عبدالحمید کے خلاف طوفان مچائے ہوئے تھی۔

جناب مولوی محمد انشاء اللہ خاں مرحوم ایڈیٹر وکیل (امرتسر) نے اپنی کتاب "تاریخ خاندان عثمانیہ میں مصطفیٰ کمال پاشا

کی بہت تعریف کی ہے۔ اس کی خدمات کو سراہا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کا دو تہائی حصہ کمال اتاترک کے فضائل و مناقب کی نذر کردیا ہے لیکن خلیفہ عبدالحمید ثانی کا تذکرہ کرتے وقت اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ "انجمن اتحاد و ترقی" غیر ملکی طاقتوں کا آلۂ کار بن کر عبدالحمید خاں کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے تھی اور اس معرکہ آرائی میں وہ حق بجانب نہیں تھی۔ مجموعی حیثیت سے انہوں نے خلیفہ عبدالحمید کو سراہا اور اسے مدبر، کامیاب حکمران قرار دیا ہے۔

میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ خلیفہ عبدالحمید شخصی حکمرانوں کے عیوب سے بالکل پاک تھا۔ بلاشبہ اس میں بہت سی خامیاں تھیں۔ آخر وہ بھی انسان تھا اور دنیا کی ایک بہت بڑی سلطنت کا خود مختار حکمران لیکن قاضی صاحب نے اس کی جو تصویر کھینچی ہے، افسوس ہے کہ وہ حقائق و واقعات سے بھی بہت دور ہے، اور مغرب کے متعصب مورخوں کے پروپگنڈے سے معمور۔ اس کی معزولی کے بعد سلطنت ترکی کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی اور ترکی اپنی بین الاقوامی عزت و وقار کھو بیٹھا۔

مصطفیٰ کمال پاشا اور انجمن اتحاد و ترقی:

مصطفیٰ کمال پاشا "انجمن اتحاد و ترقی" کا اہم رکن تھا۔ "انجمن اتحاد ترقی" کے بارے میں احتیاط کی بنا پر اگر یہ نہ کہا جائے کہ وہ صیہونیوں اور غیر ملکی طاقتوں کے تعاون اور شہ پر قائم ہوئی تو دستاویزی ثبوت اور تاریخی حقائق کی بنا پر اتنا ضرور کہا جائے گا کہ اس انجمن میں صیہونیوں اور غیر ملکی طاقتوں نے پورا پورا اثر و رسوخ پیدا کرلیا تھا۔ بلاشبہ اس انجمن کے بہت سے اراکین مخلص اور محب وطن تھے لیکن وہ لوگ بھی اپنی سادہ لوحی، ناتجربہ کاری کی بنا پر دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بن گئے۔

مصطفیٰ کمال پاشا نے غیر معمولی ہمت و شجاعت اور تدبر سے ترکی کا تحفظ کیا۔ اتحادیوں کی اجتماعی طاقت اور یونانیوں کو ذلت آمیز شکست دے کر تھوڑی دیر کے لئے مسلمانوں کا سر اونچا کردیا۔ ترکی کی کامیابیوں کی خبر سے عالم اسلام میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ہندوستان کے مسلمان جو خلافت کے لئے تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے تھے خوشیاں منانے لگے۔ شعراء نے مصطفیٰ کمال پاشا اور ترک مجاہدین کی شان میں قصائد کہے صحافیوں اور انشا پردازوں نے تحریر کا جادو جگایا۔ شعلہ بیان مقرروں نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی کے نشہ سے سرشار کردیا۔ لیکن انقلاب اور فتح کے بعد کمال اتاترک نے جو اقدامات کئے، ان کی وجہ سے مسلمانوں پر مایوسی کے مہیب بادل چھا گئے۔ اقبال محمد علی جوہر جیسے مفکرین اور قائدین بے تاب ہو کر رہ گئے۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے برسر اقتدار آنے کے بعد متواتر ایسے قوانین نافذ کئے جن کی وجہ سے ترکی میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا خاتمہ کردیا۔ ترکی جو عالم اسلام کی قیادت کر رہا تھا اسلامی دنیا سے کٹ کر رہ گیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے یورپ سے سامان حرب اور جدید علوم و فنون ہی درآمد نہیں کئے بلکہ تہذیب و تمدن، اخلاق و عادات، عقائد و نظریات، قوانین و آئین بلکہ ہر مفید اور مضر چیز درآمد کی۔ ترکی اپنی قوت ایجاد کو کام میں لانے کے بجائے مغرب کی تقلید اور ذہنی فکری غلامی میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ عربی رسم الخط کو ممنوع قرار دے کر لاطینی رسم الخط نافذ کیا۔ دینی مدارس و مکاتب بند کرا دیئے۔ قانون کے ذریعے بے پردگی کو رائج کیا غرضیکہ اسلام اور اس کے شعائر کا نام و نشان مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

چند اور کارنامے:

کمال اتاترک نے علماء اسلام اور مشائخ کو تختۂ دار پر لٹکایا یا پابند سلاسل کردیا۔ تمام اسلامی تحریکوں پر یک لخت پابندی عائد کردی۔ بدیع الزماں سعید نورسی جو ترکی میں تحریک اسلامی کے حدی خواں تھے انہیں جور و استبداد کی چکی میں پیس دیا۔ انہیں مدت العمر جیل کے ظلمت کدوں میں بند کرکے انسانیت سوز مظالم ڈھائے بار بار ان کو پھانسی کا حکم سنایا گیا۔ — بدیع الزماں سعید نورسی کے حالات کے لئے مشہور نو مسلمہ خاتون مریم جمیلہ کی کتاب "اسلام۔ ایک نظریہ ایک تحریک" اور پاکستانی مصنف ثروت صولت کی کتاب "بدیع الزماں سعید نورسی۔ شخصیت اور تحریک" کا مطالعہ کیا جائے۔

خلافت ترکی کا خاتمہ کرکے مصطفیٰ کمال پاشا نے عالم اسلام کی اجتماعیت پر کاری ضرب لگائی۔ ہمیشہ کے لئے ملت کا شیرازہ منتشر کردیا۔ ترکی میں جو خلافت قائم تھی عملاً اگرچہ اس دور میں زیادہ موثر نہیں تھی لیکن وہ بے جان اور نام کی خلافت بھی اسلام دشمن طاقتوں کی نیند حرام کئے ہوئے تھی۔ انہیں خطرہ تھا کہ کسی وقت خلافت کے زیر سایہ تمام اسلامی ممالک متحد ہو کر ناقابل تسخیر قوت نہ بن جائیں۔ خلافت کا خاتمہ کرکے دانستہ یا نادانستہ طور سے انگریزوں اور تمام اسلام دشمن طاقتوں کا وہ مقصد پورا کردیا گیا جس کے لئے وہ صدیوں سے جدوجہد کررہے تھے۔ جناب صباح الدین عبدالرحمٰن رقمطراز ہیں:

"خلافت کا سقوط پورے عالم اسلام کا ایک بڑا دردناک حادثہ تھا۔

مسلمانوں کی تیرہ سو برس کی مذہبی، سیاسی اور بین الاقوامی مرکزیت جاتی رہی۔ وہ عیسائیوں کی چالبازیوں سے ضرور مات کھا گئے لیکن اس میں ان کی نااہلی، ناعاقبت اندیشی اور نااتفاقی کا بہت کچھ دخل تھا۔ حوادث زمانہ کے وہ تھپیڑے بلکہ طمانچے کھاتے رہے لیکن ان کو ہوش نہیں آیا۔ وہ اب پیچھے مڑ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ خلافت کی مرکزیت کے خاتمہ کے بعد وہ محض سیاسی کھلونے بن کر رہ گئے، ان کو ایک لڑی میں پرونے والی کوئی قوت باقی نہیں رہی۔

(محمد علی کی یاد میں ص ۱۴۹-۱۵۰)

اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو مصطفیٰ کمال پاشا کے ان اقدامات کی روشنی میں اس کی تحریک اور انقلاب کے محرکات، پس منظر، مقاصد کی نشاندہی آسانی سے کی جاسکتی ہے۔

جناب قاضی صاحب نے "تحریک خلافت" کے آخر میں کتابیات کی جو مختصر فہرست درج کی ہے اس پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی کی تاریخ و تحریکات اور شخصیات کے بارے میں ان کے سامنے کوئی اہم کتاب نہیں تھی بلکہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اپنی پرانی معلومات پر بھروسہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ قاضی صاحب اس موضوع سے متعلق قدیم و جدید کتابوں کا از سر نو مطالعہ کر کے اپنی کتاب پر نظر ثانی کریں۔

علی برادران اور گاندھی جی:

کوئی تحریک یا تنظیم ہو اس کے ہمدرد اور ممبر اگرچہ بے شمار ہوتے ہیں لیکن اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے اور ترقی دینے کا سہرا دو ایک مخلص سر پھروں کے سر ہوتا ہے، جو اس تحریک کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں اور جانی و مالی قربانیاں پیش کر کے اس تنظیم کو آگے بڑھاتے ہیں۔ تحریک خلافت کے جانثار سپاہی بھی اگرچہ لاکھوں سے متجاوز تھے۔ ہر مذہب و ملت فرقہ و جماعت کے لوگوں نے اس میں حصہ لیا۔ لیکن اپنے محدود مطالعے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اس تحریک کے روح رواں محمد علی اور شوکت علی تھے۔ محمد علی اور تحریک خلافت لازم و ملزوم ہو گئے ہیں۔ آج بھی محمد علی کا نام لیتے ہی تحریک خلافت اور تحریک خلافت کا نام لیتے ہی محمد علی یاد آتے ہیں۔ بلاشبہ شیخ الہندؒ، مولانا عبد الباریؒ، گاندھی جی کی قیادت اور سرپرستی میں تحریک خلافت شباب تک پہنچی۔ لیکن اسے ایک عمومی تحریک اور تمام ہندوستان کا جذباتی مسئلہ بنانے میں سب سے زیادہ حصہ ان دو بھائیوں کا تھا۔

خلافت کے مسئلہ نے مولانا محمد علی کو ماہیٔ بے آب بنا رکھا تھا۔ یہ خصوصیت صرف محمد علی کو حاصل ہے کہ خلافت کی تحریک میں ان کے پورے گھرانے حتیٰ کہ پردہ نشین خواتین نے بھی حصہ لیا۔ ہمدرد کی فائلوں اور ان کے مکاتیب کا مطالعہ کیجئے۔ آج بھی سوز دروں کی آنچ، جذبات کی حدت و حرارت آپ کو آبدیدہ کردے گی۔ مولانا دریابادی مرحوم کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"خلافت کے اس قضیہ نے دل کی وہ حالت کردی ہے کہ اگر خداوند کریم کا فضل شامل حال نہ ہوا تو نہ معلوم میری کیا کیفیت ہوجائے۔"

(محمد علی کی ڈائری جلد اول ص ۱۵۳)

ہمدرد اور کامریڈ کی فائلیں گواہ ہیں کہ مولانا محمد علی نے اپنی تقریر و تحریر اور گراں قیمت اوقات بلکہ زندگی کو تحریک خلافت کے لئے وقف کردیا تھا۔

"تحریک خلافت" کا بار بار مطالعہ کرنے کے بعد میرا اپنا احساس یہ ہے کہ مولانا محمد علی کو اس کتاب میں وہ مقام نہیں دیا گیا جس کے وہ مستحق تھے۔ قاضی صاحب نے گاندھی جی کو اس تحریک کا روح رواں قرار دیا ہے۔ یہ علی برادران کی بہت بڑی حق تلفی ہے۔ گاندھی جی کی شرکت اور ان کی رہنمائی نے بلاشبہ اس تحریک کو غیر معمولی تقویت پہنچائی۔ ان کی یہ قومی، انسانی ہمدردی لائق صد ستائش ہے لیکن ان کو تحریک خلافت کی روح رواں قرار دینا میرے خیال میں حقیقت کی صحیح ترجمانی نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ گاندھی جی کو مہاتما گاندھی اور ہندوستان کا متفقہ عوامی لیڈر بنانے میں مولانا محمد علی جوہر کا ہاتھ سب سے زیادہ رہا ہے۔ ستمبر ۱۹۲۷ء میں پشاور کے اندر ایک بڑے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے برملا کہا:

"کانگریس کو انڈین نیشنل کانگریس فی الحقیقت مسلمانوں نے بنایا، اس سے پہلے وہ خوش وضع، عافیت پسندوں کی تفریح گاہ تھی، جو تیار کردہ تقریریں شاندار الفاظ میں کرتے اور چند تجویزیں منظور کرانے کی خواہش سے سال میں ایک دفعہ جمع ہو کر نشستند و گفتند و برخاستند کا نظارہ پیش کرتے تھے، مگر جس دن سے محمد علی اور شوکت علی اس میں شریک ہوئے اسی دن سے اس میں جان پڑ گئی۔ چنانچہ کلکتہ میں صدر لالہ لاجپت رائے کی مخالفت کے باوجود کانگریس نے ترک موالات کو اپنا شعار بنایا۔ یہ حقیقت ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد رہے گی کہ سب سے جلیل القدر ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دورہ کرتے رہے کیونکہ وہ کہتے تھے اور بالکل بجا کہتے تھے کہ یہ تمام دورے تحریک

مولانا ابو الحسن علی ندوی

ملی وحدت اور اس کے تقاضے

یہ تقریر "ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن" کے صدر حکیم محمد سعید صاحب کی دعوت پر "شام ہمدرد" کے جلسہ منعقدہ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کراچی ۱۳ر جولائی ۸۷ء کو کی گئی۔ ابتدا میں حکیم محمد سعید صاحب نے خیر مقدمی اور تعارفی تقریر کی آخر میں کلمات تشکر مولانا جمال میاں صاحب فرنگی محلی (رکن رابطہ عالم اسلامی) نے ادا فرمائے۔ اس شستہ اور شائستہ جلسہ میں شعبہ زندگی سے متعلق اصحاب اور نمائندہ شخصیتیں تھیں۔ سامعین میں متعدد تعداد ان اصحاب ذوق کی بھی تھی جو اس تقریر کو سننے کے لیے دور دراز کا سفر کر کے آئے تھے۔

لفظ وحدت میں ایک قسم کی مقناطیسیت ہے

میں حکیم محمد سعید کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے ایک ایسے چیدہ اور برگزیدہ مجمع سے خطاب کرنے اور اپنے خیالات پیش کرنے کا ایسا شستہ اور شائستہ موقع مہیا کیا ایک نو وارد پر جس کے قیام کے دن گنے چنے ہیں اور جو شہر کے اعیان معززین اور اہل فکر کے نام و مقام سے پورے طور پر آشنا نہیں ہے، یہ ایک طرح کا احسان ہے کہ اس کے لیے ایک منتخب جگہ پر ایسے ممتاز حضرات جمع کر دیئے جائیں جن میں سے اکثر سے تنہا مل لینا اور ان کے لیے سفر کرنا بھی حق بجانب تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے مقرر یا مہمان کی ذمہ داری میں بڑا اضافہ ہوتا ہے کہ وہ اس نعمت سے کہاں تک فائدہ اٹھا سکے گا اور اس وقت کو کہاں تک کام میں لایا جا سکے گا اور افکار و خیالات کا ہجوم جذبات کی فراوانی اور تشکر و امتنان اور احساس ذمہ داری کی یہ ملی جلی کیفیت اس کو اپنے دل کی بات مناسب اور موزوں طریقہ پر کہنے کا موقع دے گی یا نہیں؟ اس موضوع کے انتخاب پر بھی حکیم محمد سعید صاحب کو داد دیتا ہوں کہ انہوں نے ایسے دور میں جو بہت سی کشمکشوں، غلط فہمیوں بدگمانیوں اور مختلف متضاد محرکات کا دور ہے ایک ایسے معاشرے میں ایک ایسے ملک میں جو اس خارزار سے گذر چکا ہے اور پھر یہ خارزار اس کے سامنے ہے اس موضوع کا انتخاب کیا۔

دنیا میں جو لفظ اور جو مفہوم بہت محبوب و مقبول ہیں اور جن کے لفظ و صورت میں ایک کشش اور مقناطیسیت ہے ان میں ایک لفظ "وحدت" بھی ہے انسان کو فطرتاً وحدت سے محبت ہے اس لئے کہ یہ اس کے دل کا تقاضہ، اس کے دل کی آواز اور خدا کی مرضی ہے انسان کو انسانوں کی اس دنیا میں رہنا ہے اس کو زندگی سے لطف اٹھانا ہے اس باغ عالم کو سنوارنا ہے اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنا ہے۔ خدا کی طرف سے جو جوہر اس کو عطا ہوئے ہیں۔ اس کا اظہار کرنا ہے۔ اس لئے اس کو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کی ضرورت ہے

وحدتیں وحدتوں سے ٹکراتی ہیں لیکن

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان وحدتوں نے اب تک زیادہ تر تعمیر کی بجائے تخریب کا کام کیا ہے یعنی بالکل اپنے مزاج اپنی فطرت اپنے دعوئ اور معانی کے خلاف کردار ادا کیا ہے وحدت اس لئے تھی کہ لوگوں میں محبت و اتحاد پیدا کرے یک رنگی کا جذبہ پیدا کرے۔ باہمی اعتماد کی فضا پیدا کرے لیکن وحدتیں وحدتوں سے ٹکرائیں جس طرح! وحشتیں وحشتوں سے ٹکرائی ہیں۔ طاقتیں طاقتوں سے ٹکرائی ہیں۔ اسی طرح وحدتیں وحدتوں سے ٹکرائی ہیں حالانکہ کوئی چیز بھی ایک دوسرے سے ٹکرائے لیکن وحدت کو وحدت سے نہیں ٹکرانا چاہیئے۔ اس سے بڑھکر اپنی فطرت سے انحراف اور بغاوت نہیں ہو سکتی کہ وحدت وحدت سے ٹکرائے یہ ایک انوکھا تجربہ ہے جس سے ہماری انسانی تاریخ داغدار بلکہ خونچکاں رہی ہے یہ ایک دل خراش اور طویل داستان ہے۔

وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق وحدتوں کی بنیاد سے ہے وحدت کس بنیاد پر ہے؟ اگر وحدت کسی منفی بنیاد پر ہے اگر وحدت کسی جارحانہ جذبہ پر ہے اگر وحدت احساس برتری پر ہے۔ اگر وحدت تحقیر انسانی پر ہے اگر وحدت ہوس ملک گیری برتری اور سروری حاصل کرنے کے لئے ہے۔ تو ایسی وحدت کو کسی اور وحدت کے ساتھ گوارا نہیں کرنا چاہیے ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں اس لئے جب آپ انسان کی تاریخ پڑھیں گے کسی قوم و مذہب کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو یہ پوری تاریخ ایک رزمیہ جنگ کی ایک داستان نظر آئے گی جس میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ انسانوں کے سروں کے مینار بنائے جا رہے ہیں۔ ملکوں کے چراغ گل کئے جا رہے ہیں۔ کھیتیاں جلائی اور پامال کی جا رہی ہیں بلکہ تہذیبیں پامال کی جا رہی ہیں اور جب ان کے وجوہ و اسباب کا فلسفہ تاریخ کی مدد سے آپ سراغ لگائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک ایسی وحدت نے نشو و نما پائی تھی جو دوسری وحدت

محض وحدت کوئی معنویت نہیں رکھتی

وحدت کا خالی لفظ بالکل کافی نہیں ہے اب قوموں کے تجربے نے نوع انسان کے مسلسل اور طویل تجربے نے بتا دیا کہ محض وحدت کوئی معنویت نہیں رکھتی اور کسی بات کی ضمانت نہیں رکھتی دیکھنا یہ ہے کہ وحدت کس بنیاد پر ہے۔ اس وحدت کی اساس کیا ہے؟ وحدت کے مقاصد کیا ہیں۔

نوع انسانی کی تاریخ میں سب سے پہلی جو وحدت نظر آتی ہے وہ گھرانوں کی وحدت ہے قبیلہ کی وحدت ہے۔ قوم و نسل کی وحدت ہے نام و نسب کی وحدت ہے۔ پھر اس کے بعد آگے آگے بڑھ کر دنیا نے جب ذرا اور ترقی کی تو زبان کے اشتراک کی وحدت ہے جیسے ہم لسانی وحدت کہتے ہیں پھر تہذیبی و ثقافتی وحدت ہے کہ تہذیب و ثقافت کو مردم آزادی اور آدم بیزاری سے کیا تعلق؟ تہذیب و ثقافت کے معنی یہ ہیں کہ غلط فہمیاں رفع ہوں آدمی آدمی کو سمجھے اس کے ساتھ انصاف کرے۔ اس کی مجبوریاں معلوم کرے اس کی کمزوریاں معلوم کر کے اس کے لئے اپنے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو اس کے ادب و شاعری سے واقفیت کا ذوق پیدا ہوا۔ تہذیب و ثقافت کے اندر جارحیت کا پہلو اور اس کے اندر انسانوں کو ذلیل کرنے یا انسانی تہذیب کے خلاف حملہ آور ہونے کا پہلو تو ہونا ہی نہیں چاہیئے تھا واقعہ یہ ہے کہ انسانوں کی زندگی مختلف قسم کے تناقضات

CONTRADICTIONS

کا مجموعہ ہے اس کا سلجھانا بڑا مشکل ہے ہمارا موجودہ علم نفسیات بھی اس کے لئے کافی نہیں ہے انسان کے اندر ایک دوسرا انسان پیدا ہو جاتا ہے انسان کے کچھ ایسے مقاصد بن جاتے ہیں جو دوسرے انسانوں کے لئے مہلک ہوتے ہیں ان مقاصد کی تعمیر بعض اوقات دوسرے انسانوں کے مقاصد کے ملبہ پر ہی ہو سکتی ہے اس کے کھنڈرات پر ہی یہ عمارت تعمیر ہو سکتی ہے کوئی فلسفہ زندگی ایسا ہو جو انسان کی تباہی اور انسان کے مفتوح ہونے اور شکست کھانے ہی سے بنتا

ابھرتا پھلتا اور پھولتا ہے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

وحدت کا اسلامی تصور!

اسلام نے ان مصنوعی وحدتوں کے مقابلے میں دو حقیقی وحدتوں کو تسلیم کیا ہے اور ان کی دعوت دی ہے یہ دنیا کی معصوم ترین غیر مضر ترین مثبت اور تعمیری وحدتیں ہیں ایک وحدت انسانی اور ایک وحدت ایمانی۔ وحدت انسانی تو یہ کہ پوری نسل انسانی ایک آدم کی اولاد ہے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ایسے معجزانہ الفاظ میں اس پر مہر لگا دی کہ اس سے زیادہ انسانی مساوات کا کوئی منشور یا چارٹر نہیں ہو سکتا آپ نے فرمایا کہ

ان ربکم واحد وان اباکم واحد

اے انسانو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے وحدت رب دو وحدتیں ہیں جو ہر انسان کو ملی ہیں اس کے جسمانی وجود کا آغاز ایک انسانی وجود سے ہوتا ہے بڑا ہو چھوٹا ہو کسی زبان کا بولنے والا ہو کسی سطح کا انسان ہو نسب کا سلسلہ نسب ایک انسان پر ختم ہوتا ہے اور وہ نسل انسانی کے باوا آدم ہیں اور ان ربکم واحد تمہارا پرورش کرنے والا بھی ایک ہے اور دو مختصر لفظوں میں وحدت انسانی کا وہ اعلان کیا گیا ہے جس سے زیادہ وسیع عمیق اور جس سے زیادہ قابل فہم کوئی اعلان ہو سکتا ہے یہ وحدتیں جو انسان کو ملی ہیں انسان کو ایک دوسرے سے منسلک اور وابستہ کئے ہوئے ہیں نسل انسانی کا مورث ایک اور نسل انسانی کا خالق مربی اور رازق ایک اس لئے ہر شخص ایک دوسرے کا بھائی اور دو رشتوں سے بھائی ہے ایک؛ باپ کے رشتہ سے ایک پیدا کرنے والے کے رشتہ سے۔ باپ کا ذکر پہلے اس لئے کیا کہ نسل انسانی حقیقت سب سے زیادہ عام فہم ہے۔ اور اس کو سب مانتے ہیں زبان نبوت نے اعلان کیا کہ نسل انسانی کا مورث اعلیٰ ایک ہے اس کا پیدا کرنے والا اور اس کی پرورش کرنے والا بھی ایک ہے اور اس کی پرورش کا سلسلہ جاری ہے یہ وہ وحدت انسانی ہے جس کا اعلان حجۃ الوداع

کے موقع پر کیا گیا ہے جو ایک عالمگیر خطبہ ہے جس کی مخاطب پوری نوع انسانی تھی یہ ایک شہادت تھی جو ایک نبی دے رہا ہے اور ایک طرح کا اعلان تھا جو خاتم الانبیاء کر رہے تھے۔

ایک نئی وحدت

چھٹی صدی میں ایک نئی وحدت کی بنیاد ڈالی گئی اس وحدت کی بنیاد اللہ کی وحدانیت کے عقیدہ نوع انسانی کی ہمدردی کے جذبہ عدل و مساوات کے اصول اور انسانوں کی خدمت کے عزم و ارادہ پر تھی۔ اس جماعت کی جس وقت مدینہ میں تشکیل ہو رہی تھی تو وہ مٹھی بھر جماعت تھی مہاجرین جب مکہ معظمہ سے نکلے اور مدینہ پہنچے تو ان کو وہاں کے اصل باشندوں (اوس اور خزرج) سے ملوایا گیا اور ان دونوں کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) کا رشتہ قائم کیا گیا۔ اس لئے کہ یہ غریب الدیار تھے یہ کہاں ٹھہرتے ان کا گھر بار نہیں تھا یہ ایک بالکل نیا رشتہ اور نئی برادری تھی جس کی بنیاد محض عقیدہ و مقصد پر تھی آپ میں سے جو لوگ سیرت پر نظر رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس کی بنیاد تہذیب کی وحدت اور معاشرے کی وحدت پر بھی نہیں تھی زبان کی وحدت تو تھی لیکن مکہ اور مدینہ کی زبان اور لہجوں میں اتنا اختلاف تھا جو ایک کو دوسرے سے دور رکھنے کے لئے کافی تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ تھوڑے فاصلے پر زبان بدل جاتی ہے اور پھر اس میں وہ عصبیت پیدا ہو جاتی ہے جو مستقل دو زبانوں کے بولنے والوں کے درمیان ہوتی ہے جس کا تجربہ جیسا کہ پاکستان میں ہوا میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کے کم ملکوں میں ہوا ہوگا۔

مکہ مدینہ کے معاشرہ اور تمدن کو عام طور پر سیرت کا مطالعہ کرنے والوں نے جیسا متحد سمجھا ہے صحیح نہیں ہے سیرت کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے معاشرے اور تہذیب و تمدن میں خاصا فرق تھا اور مکہ کے قریش میں اچھا خاصا احساس برتری پایا جاتا تھا آپ کو معلوم ہوگا کہ جس وقت بدر میں تین قریشی سورما عتبہ شیبہ اور ربیعہ آئے تو انہوں

نے دعوت مبارزت دی کہ ہمارے مقابلے میں
کسی کو آنا چاہیئے تین انصاری نکل آئے بعض
روایتوں میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ تم شریف
آدمی ہو لیکن ہمارے جوڑ کے ۔۔۔ جو لوگ
ہیں ان کو بھیجو اس سے ان کی قبائلی نخوت
کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے برابر کسی کو نہیں
سمجھتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے معاشرہ کے جو
عناصر تھے ان میں بہت اہم عنصر بلکہ جو
DOMINATE .... کرتا تھا
وہ یہودیوں کا عنصر تھا یہودی اپنے ساتھ ایک
تہذیب رکھتے تھے زبان رکھتے تھے اور تنہا
وہ جزیرۃ العرب میں ایک ایسی ترقی یافتہ قوم
تھی جس کے اپنے مدارس تھے جن کو "بیدراس"
وہ ان سب لوگوں کو امی کہتے تھے جیسا کہ قرآن
مجید میں ان کا قول خود آتا ہے۔
لیس علینا فی الامیین سبیل (یعنی یہ اَن
پڑھ لوگ ہیں ان کو نقصان پہنچانے یا دھوکہ
دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا) اور یہ آج
بھی یہودیوں کا قول ہے اور عقیدہ ہے اور
اسی لئے ان کے یہاں خاص لفظ
(GOYIM) ہے جس کے معنی غیر مہذب
اور اجنبی کے ہوتے ہیں۔

بہرحال اگر آپ تفصیل کے ساتھ سیرت کی
کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مدینہ
کا معاشرہ اور مکہ کا معاشرہ باوجود لسانی وحدت
کے اور اوپر جاکر بھی ایک دوسرے سے کتنا مختلف
ہو چکا ہے۔ الگ الگ ماحول میں ارتقاء کی
منازل طے کرنے کی وجہ سے گویا وہ دو ملکوں
کے معاشرے تھے اس لئے جب وہ مکہ سے
مدینہ ہجرت کر گئے تو اس کا بڑا اندیشہ تھا
کہ یہ شیر و شکر نہیں ہو سکیں گے (اور یہ طبعی
اصطلاح میں حکیم صاحب کی رعایت سے بول
رہا ہوں) تو یہ اندیشہ تھا کہ یہ جو اسلامی اخوت
بن رہا ہے۔

اس لئے یہ دو جز مہاجرین اور انصار ایک
دوسرے میں اس طرح تحلیل ہو سکیں گے
اپنی شخصیت سے اس طرح دستبردار ہو
سکیں گے اور ایک مشترکہ مزاج پیدا کر لیں
جب وہ ایک
مشترک مزاج پیدا کرے۔ اگر ہر ایک جز
کا مزاج قائم رہے تو مفید نہیں ہو سکیں
مثلاً صرف مہاجرین اور انصار کا تھا خود
انصار کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج
بھی تھے جو مستقل دو قوموں اور حریفوں
کی طرح ایک دوسرے کے مقابلہ میں
صف آراء اور نبرد آزما ہو چکے تھے بعاث
کی جنگ جو ہجرت کے پانچ سال پہلے پیش
آئی تھی۔ ان خون آشام جنگوں کے
سلسلہ کی آخری کڑی تھی جس میں ایک
نے دوسرے کو قتل کیا تھا۔ ہر قبیلہ کے
پاس اپنے فخریہ کارناموں کی ایک تاریخ
اور مستقل منظوم شاہ نامے بنے ہوئے
تھے یہودی دونوں قبیلوں کے مسلمان ہو
جانے کے بعد بھی مشترک مجلسوں میں
ان واقعات کو یاد دلا کر اور اشعار کو
پڑھ کر ان کے مندمل زخموں کو ہرا اور
ان کی جاہلی نخوت کو زندہ کرنے کی کوشش
کرتے رہتے تھے سیرت کی ایک روایت
سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ
ایک ایسے ہی موقع پر (یہودی سازش
کے نتیجہ) قریب تھا کہ تلواریں نیام سے
نکل آتیں اور یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے
سے گتھ جائیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
عین موقع پر تشریف لے آئے اور آپ نے
آگ کے شعلوں کو ایمان اور محبت اسلامی
کے پانی سے سرد کر دیا۔ اور اور فتنہ ابھرنے
نہیں پایا۔

بہرحال اس کا پورا امکان تھا کہ بجائے
اس کے کہ ایک نئی طاقت ابھرے ایک نیا
انتشار نہ برپا ہو جائے اور اس کے بہت
سے اسباب تھے جیسا کہ عرض کیا گیا خود
یہودیوں کا وجود سب سے بڑا عامل
FACTOR تھا تخریب کا۔
تخریب کی ان کے اندر جتنی صلاحیت
ہے دنیا کی کم قوموں میں ہے اور آج تک
ان کا یہ جوہر باقی ہے اس لئے اس کا بھی
خطرہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے درمیان
کوئی رقابت پیدا کر دیں گے اور ایک کو دوسرے
سے ٹکرا دیں گے۔

مکہ معظمہ کی زندگی کا دار و مدار تجارت
پر تھا اور مدینہ کی زندگی کا دار و مدار زراعت
اور باغبانی پر تھا۔ یہ دونوں شہروں کی جغرافیائی
خصوصیات کا نتیجہ تھا گھر کی معاشرت میں بھی فرق
تھا جس کی طرف حضرت عمرؓ نے بھی ایک مرتبہ
اشارہ کیا تھا۔

عقیدہ اور مقصد کا اشتراک

اس کے پہلے مجھے معلوم نہیں کہ ایسے
منظم اور واضح طریقہ پر قبائلی عناصر کے درمیان
کسی عقیدہ اور مقصد کے اشتراک پر ایک نئی
برادری کی بنیاد ڈالی گئی ہو یہ برادری تھی ان
ایمان والوں کی جو وحدت انسانی پر اور وحدت
ربانی پر یقین رکھتے تھے اور وحدت عقیدہ
اور وحدت مقصد پر جمع ہوئے تھے ایک
نئی طاقت اس دنیا کو بچانے کے لئے پیدا کی
جا رہی تھی۔ یہ چھوٹی سی برادری جو وجود میں
آ رہی تھی اس کی حقیقت کیا تھی اس کے افراد
کی تعداد کیا تھی قرآن کریم نے اس کی تو
تصویر خود کھینچی ہے۔
واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض
تخافون ان یتخطفکم الناس۔
(وہ دن یاد کرو جب تم مٹھی بھر تھے انگلیوں
پر گنے جانے کے قابل)
انتم قلیل مستضعفون فی الارض۔
اور تمہیں کوئی خاطر میں نہیں لاتا تھا تم کسی شمار و
قطار میں نہیں تھے تم ڈرتے تھے کہ جس طرح
چیل جھپٹا مار کر گوشت کا ٹکڑا لے جاتی ہے
اسی طرح تمہارے دشمن تم کو اڑا کر نہ لے
جائیں اور تم کچھ نہ کر سکو۔
حالت تو یہ تھی لیکن ان مسلمانوں کو
پوزیشن کیا دی گئی ان کو مقام کیا دیا گیا۔
جب بھی میں اس آیت کو پڑھتا ہوں تو
حیرت میں ڈوب جاتا ہوں اس نئی برادری
نے وحدت کو کیا فرض انجام دینا تھا۔ اس کا
کتنا مشکل نازک اور عظیم کام تھا اور خدا کی

------- نگاہ میں اس کی کیا وقعت تھی ۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے ۔ الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیرہ

اگر تم نے اس نئی وحدت کی بنیاد نہ ڈالی اور اس وحدت کو مستحکم نہ کیا تو تکن فتنہ فی الارض وفساد کبیرہ زمین میں فتنہ عظیم اور فساد عظیم برپا ہوگا ۔ ------ یہ الفاظ سن کر حیرت کرتا کہ اس جماعت کی حقیقت کیا ہے بتیس دانتوں میں ایک زبان اس سمندر میں اس قطرہ کی کیا حقیقت تھی پر مہاجرین وانصار اگر وحدت قائم کر بھی لیتے تو اس فتنہ کبریٰ اور فساد عظیم کو روکنے کی وہ کیا صلاحیت رکھتے تھے ؟ لیکن خدا کو اس وحدت سے جو کام لینا تھا اور یہ وحدت سے جو کام لینا تھا اور یہ وحدت انسانی انسانی تہذیب اور اس دنیا کی بقا کے لئے جتنی ضروری تھی اس کی بنیاد پر اس کو پرکھنے پر اعزاز عطا کیا گیا ۔ سوائے ان لوگوں کے جو خدا کو قادر مطلق سمجھتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ یہ برادری جو قائم ہو رہی ہے اپنے اندر کیا جوہر رکھتی ہے عددی حیثیت سے یہ کتنی قلیل اور حقیر لیکن اپنے MARIT جوہر و صلاحیت کے لحاظ سے کتنی قیمتی باوزن اور موثر ہے جو لوگ دیکھتے کہ اس کے اندر کیا جوش و جذبہ ہے اس کے اندر انسانیت کے لئے کس قدر سوز و گداز بھرا ہوا ہے اس کے افراد کی راتیں کس تپش میں ان کے دل کس خلش میں گذرے ہیں اور اس کو اپنی جان اور اپنی اولاد کس قدر بے حقیقت معلوم ہوتی ہے ۔ نوع انسانی کو بچانے کے لئے دنیا میں ہدایت کو عام کرنے اور انسان کو انسان سے ٹکرانے سے بچانے کے لئے ان میں کتنی بے چینی و بے قراری ہے وہی اس آیت کی حقیقت کو سمجھ سکتے تھے ورنہ اس وقت کے سیاسی فتنے اور تہذیب وتمدن کے ماحول میں یہ بات سمجھ میں نہ آنے والی تھی کہ ایک ایسی چھوٹی جماعت کو یہ اعزاز دیا جا رہا ہے ۔ الّا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر

تم نے یہ برادری قائم نہ کی ۔ اس وحدت کو مضبوط نہ کیا تو تکن فی الارض فتنہ وفساد کبیر فتنہ وفساد کے شعلے دنیا میں اٹھیں گے اور پوری دنیا کو جلا کر خاکستر کر دیں گے ۔ اس جلتی ہوئی آگ کو جس نے ساری دنیا کو اپنے لپیٹ میں لے لیا تھا ۔ آپ ساتویں صدی مسیحی کے نقشے میں دیکھیں جغرافیائی نہیں بلکہ ان کی باہمی آویزشوں اور ان کی جنگوں کے نقشے میں ان کے احساس برتری اور ان کے نشہ قوت کا دنیا پر جو اثر پڑا اس کو اقبال نے اپنے خاص انداز میں اس طرح بیان کیا ہے ؂

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انساں کی قبا چاک
تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے
صاحب نظراں نشہ قوت ہے خطرناک
اس سیل سبک سیر و زمیں گیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

چھوٹی سی برادری پر سارے عالم کا بوجھ :

اس نشہ قوت نے دنیا پر کیا اثر ڈالا تھا اس کے مقابلے میں ایک جو چھوٹا سا پودا تیار ہو رہا تھا ، مدینہ کی سرزمین میں چھوٹی سی برادری قائم ہو رہی تھی ۔ ایک نئی وحدت کی بنیاد پڑ رہی تھی اس پر سارے عالم کا بوجھ ڈال دیا گیا الّا تفعلوہ اگر تم نے اس وحدت کے استحکام میں وحدت کی جڑوں کو گہرا کرنے میں اور اس وحدت پر یقین کرنے میں اس وحدت سے عشق ومحبت کا تعلق رکھنے میں اور انسانیت کے درد کی آگ اپنے دلوں میں محسوس کرنے میں کمی کی ، اگر تم نے اپنے مفاد کو دیکھا ، اپنے جماعتی مفاد کو دیکھا ، انفرادی مفاد کو دیکھا تو پھر دنیا میں فتنہ وفساد کا سیلاب رواں ہوگا اور پھر انسانیت کی قسمت میں سوائے تباہی و بربادی کے کچھ نہیں ہوگا ۔ میں جب ان الفاظ کو پڑھتا ہوں تو لرز جاتا ہوں کہ کتنی چھوٹی اور کمزور جماعت پر کتنا بوجھ ڈال دیا گیا جو اپنی تعداد میں کمی اور اپنی بے حیثیتی میں اتنی چھوٹی تھی کہ شاید اس کو اگر خوردبین سے نہیں تو نگاہ دوربین سے دیکھنے کی ضرورت تھی ۔ اسی جماعت کے متعلق کہا جا رہا ہے الّا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر کہ دیکھو خبردار اگر تم نے اس نئی وحدت کے مستحکم کرنے میں ذرا بھی کمزوری دکھائی تو پھر انسانیت کی قسمت میں سوائے شقاوت اور بدبختی کے کچھ نہیں لکھا ۔ پھر تو یہ وحدتیں نسلِ انسانی کو کھا جائیں گی ۔ یہ وحدتیں نہیں وحشتیں ہیں ۔ نوع انسان کی تفریق کی سازشیں ہیں ۔ ان میں سے ایک حیات دوسرے کے لئے پیام موت بن گئی ہے ۔ ایک مجموعہ انسان کی حیات سینکڑوں مجموعہ ہائے انسان کے لئے موت کا پیغام ہے ۔ اسی وحدت کا تسلسل اور نتیجہ ہم اور آپ ہیں ۔ آج بھی دنیا میں وحدتوں کے نام سے وحشتیں کارفرما ہیں ۔ آج بھی وحدتوں کے نام سے نفرتیں کارفرما ہیں ۔ آپ جس سے پوچھیں گے وہ اس کی تعریف وحدت میں کرے گا ، یہ ملک ہے ، یہ فلاں پوائنٹ ہے یہ فلسفہ ، یہ ازم ، وہ ازم لیکن کوئی وحدت کسی دوسری وحدت کی روادار نہیں ۔ ہر وحدت نے اپنی زندگی کو اس کے لیے شرط حیات قرار دیا ہے کہ اس کے علاوہ ساری وحدتیں ختم ہوں ۔ اس لئے اگر کوئی وحدت دنیا کے لئے رحمت کا پیام رکھتی ہے تو وہ وحدت انسانی اور وحدت ربانی ہے ۔

زبان کی وحدت کے تباہ کن نتائج :

یہ زبان جو بڑی معصوم چیز ہے

جس سے پھول جھڑتے ہیں ۔ یہ زبان جو دلوں کو ملانے کے لئے ، دل کو خوش کرنے کے لئے ، محبت کے گیت سنانے کے لئے انسان کو قریب کرنے اس کو آواز دینے کے لئے ہے ۔ یہ زبان جو جذبات محبت کی ترجمانی کے لئے استعمال کی گئی ۔ رازہائے فطرت کو عیاں کرنے کے لئے استعمال کی گئی ۔ یہ زبان جس نے بارہا انسان کو مست کردیا ۔ بچھڑے ہوؤں کو ملادیا ۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا ۔ جس نے محبت کے دریا بہائے ۔ یہی زبان لاکھوں انسانوں کی بربادی کا باعث ہوئی ہے ۔ یہ زبان وہ ہے جس کے نام پر زبان والے قتل کئے گئے جو خود زبان رکھتے تھے جن کے پاس ویسی ہی فطرت کی دی ہوئی زبان تھی جیسی ان قاتلوں کے پاس تھی لیکن یہ زبان کی نام نہاد وحدت ، زبان کا بڑھا ہوا عشق ، زبان کی عصبیت نے ان انسانوں کو جن کی زبان سے محبت کے سوا ، پیار کے سوا کوئی لفظ نہیں نکلا جنہوں نے خدا کی یاد میں پوری پوری راتیں بسر کردیں خاک و خون میں تڑپایا ہے یہی زبان جب ایک ایسی مصنوعی وحدت کی بنیاد بنتی ہے جس کی اللہ کی طرف سے کوئی سند نہیں ۔ ما انزل اللہ بہا من سلطان تو وہ پیغمبروں کی محنت پر پانی پھیر دینے والی اور تمام دنیا کے اصلاحی کاموں پر خطِ نسخ پھیر دینے والی تخریبی طاقت بن جاتی ہے ۔ وہ تہذیب کے ذخیرے کو آن کی آن میں برباد کر دیتی ہے ۔ اس زبان کی وحدت نے دنیا میں وہ گل کھلائے کہ انسان بالکل تصویر حیرت بن گیا ۔ آپ کو اس کا خوب تجربہ ہے اور یہ خطرہ اب بھی موجود ہے کہ کوئی چالاک انسان زبان کو بنیاد بنا کر اس ملک میں تفریق و انتشار اور "حمیت جاہلیہ" کا زہر پیدا کر دے ، اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے اس کو کام میں لائے ۔ یہ زبان آج بھی وہ تخریبی کردار ادا کر سکتی ہے جو سیزر ، قیصر اور چنگیز کی تلواروں نے انجام دیا ۔

ایسی تہذیب ، جنکا پیغام ہی یہی ہے کہ انسان مہذب ہو ، انسان کے اندر اپنی کمزوریوں کا احساس ہو ، دوسروں کے کمالات کا اعتراف ہو ۔ جو ہر جمال ہر حسن پر فریفتہ ہو جو فن تعمیر کے ہر نمونہ پر تحسین اور آفریں کے پھول برسائے ، جو اچھے شعر پر مست ہو جائے ، جو ہر قوم کی ذہانت پر اور اس کی طباعی اور صناعی کے ہر نمونہ پر مسرور ہو ، اس کو اپنی ملکیت سمجھے ۔ تہذیب کا خاصہ تو یہ تھا کہ انسان کے ہر کارنامے کو اپنا سمجھا جائے اس سے اپنے تعلق اور قدر کا اظہار کیا جائے ، جب تہذیب خدا کی رہنمائی اور پیغمبروں کی راہنمائی سے محروم ہو جاتی ہے تو وہ تہذیب تہذیب نہیں رہتی ۔ وہ اپنے حق میں خواہ تہذیب ہو دوسروں کے حق میں تعذیب بن جاتی ہے آپ نے دیکھا کہ تہذیبیں تہذیبوں سے کس طرح ٹکرائیں ، اور کلچر کلچر سے ٹکرائے ؟ اب یہ طلسم ٹوٹ چکا ہے کہ وحدت کافی ہے ۔ اگر اس وحدت میں ان دو وحدتوں یعنی وحدتِ ایمانی اور وحدتِ انسانی میں سے کوئی وحدت نہ ہو تو یہ وحدتیں بجائے خود ایک معبود بن جائیں گی اور پھر بجائے اس کے کہ ان سے اپنے دل کے ارمان نکالے جائیں اپنا شوق پورا کیا جائے اور ان وحدتوں سے تفریح کا سامان پیدا کیا جائے ، ان سے اپنے جذبے کی تسکین کی جائے بجائے اس کے وہ ایک مذہب بن جاتی ہیں ۔ ایک ایسا نظام جو دوسروں پر مسلط کیا جاتا ہے ۔ یہ تہذیبیں انسانوں کی غارت گری کا سامان بنتی ہیں ۔ یہ دنیا کا تجربہ ہے جو بارہا ہو چکا ہے ۔

دو عظیم جنگوں کے اسباب :

آپ میں سے بہت سے ایسے حضرات ہوں گے جنہوں نے ۱۹۱۴ء اور ۱۹۳۹ء کی پہلی اور دوسری جنگ عظیم کو دیکھا ہوگا ۔ بعض ایسے ہوں گے جنہوں نے صرف دوسری جنگ عظیم کو دیکھا ہوگا ۔ یہ جنگیں یہ قتل و غارت گری کس بات کا نتیجہ تھی ؟ کیا یہ صحیح مقاصد کا غلط مقاصد سے ٹکراؤ تھا ؟ کیا اس لئے کہ کسی قوم کسی ملک نے کوشش کی کہ دنیا کو صحیح راستے پر لائے ؟ جو جرائم ہو رہے ہیں ، جو بے راہ روی ہے اس سب کی اصلاح سے ہمیں کوئی بحث نہیں مقصد صرف یہ ہے کہ یہ سب ہماری نگرانی اور ہماری سرپرستی میں دنیا کا موجودہ نقشہ ہے ۔ اس میں کوئی خرابی نہیں ۔ لیکن اس پر جو اجارہ داری فلاں قوم کی قائم ہے اس کی بجائے ہماری ہونی چاہیئے ۔ مثلاً پہلی جنگ عظیم کیا تھی جرمنی کو یہ احساس پیدا ہوا کہ دنیا کی منڈیوں پر تجارتگاہوں پر اور وسائل و ذخائر پر برطانیہ کا قبضہ ہے ۔ اس پر بہت دنوں سے برطانیہ کا تسلط چلا آرہا ہے اب ہمارا قبضہ ہونا چاہیئے ۔ ہماری سیاسی پارٹیوں کا بھی یہی مزاج ہے ۔ میں نے ہندوستان میں کھلے طریقوں پر ان جلسوں میں جن میں ہندو بھائی بھی شریک ہوتے تھے بارہا کہا کہ آج کی سیاسی پارٹیوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ خرابیاں دور ہوں بلکہ صرف یہ ہے (چاہے زبان سے نہ کہیں) کہ یہ خرابیاں ہماری نگرانی میں ہونی چاہئیں ۔ ادھر اب تجربہ کرکے دیکھ لیجئے آپ صرف اپنا اختیار ان کی طرف منتقل کر دیجئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ ذرا بھی اس نقشہ میں تغیر و تبدل نہ ہوگا ۔ اصولی اختلاف کوئی نہیں ، اخلاقی بنیاد پر کوئی اختلاف نہیں ۔ آپ اونچی سطح پر جائیں تو یورپ کی قومیں جو کئی بار ایک دوسری سے برسرِ جنگ رہ چکی ہیں ان کے نزدیک اصول و بے اصولی مسیحیت اور غیر مسیحیت ظلم و انصاف کا اختلاف یا انسانی زندگی کے نقشہ کی تشکیل کا مسئلہ نہیں بلکہ صرف یہ کہ دنیا کو ہمارے جھنڈے کے نیچے آنا چاہیئے اور معاف کیجئے گا ہمارے مختلف مشرقی ملکوں کی سیاسی پارٹیوں کے سوچنے کا طریقہ بھی یہی

ہے اس سے کوئی خاص خلش نہیں تکلیف نہیں کہ انسانی طاقتیں ضائع ہو رہی ہیں نوجوانوں کے اخلاق خراب ہو رہے ہیں نظام تعلیم غلط ہے درست ہونا چاہیئے بلکہ سب کی توانیاں حصول اقتدار میں صرف ہو رہی ہیں

پاکستانی مسئلہ:

پاکستان کے مسلمانوں کا یہ مسئلہ نہیں کہ آپ تنہا اس ملک میں وحدت کے علمبردار ہیں بلکہ اس وقت دنیا کے سیاسی نقشے میں اسلامی وحدت کے دعویدار ہیں اور اس وحدت کو (DEMONSTRATE) کرنے والے ہیں۔ اگر آپ اس وحدت سے دستبردار ہو جائیں یا آپ کے ملک میں لسانی جھگڑے یا پرانی یا علاقائی تہذیبوں کے احیاء کا فتنہ سر اٹھائے گا۔ مثلاً یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ ہماری قدیم تہذیب مسلمانوں کی آمد سے پہلے کی تہذیب کو زندہ کیا جائے تو پھر اس ملک کا خدا حافظ ہے (اس معنی میں کہ اس ملک کی خیریت نہیں) اس لئے کہ اس ملک کے مختلف عناصر ترکیبی کو جو چیز مربوط کرتی ہے وہ وحدت ایمانی ہے وحدت عقیدہ ہے وحدت اسلامی ہے اب اگر یہ نئی مصنوعی وحدتیں یہ انسانوں کے تراشے ہوئے بت جنکو اقبال کہتا ہے

ع بتان رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی

یہ بتان رنگ و بو اپنا اثر رکھتے ہیں اور اپنے عمل میں آزاد ہیں تو اس ملک کے لئے خطرہ باقی ہے۔ ترکی میں وسط ایشیائی تہذیب کے احیاء کا جذبہ پیدا ہوا تھا جس کا داعی "ضیاء گوک الپ" تھا اور اس کے سب سے بڑے ہیرو کمال اتاترک تھے۔ اسی طرح ایران میں ماقبل اسلام تہذیب کے احیاء کی کبھی کبھی باتیں ہوتی ہیں۔ آپ کے ملک میں کسی صوبہ میں قدیم تہذیب کے احیاء کا کوئی جذبہ پیدا ہو جائے اور تحریک چل جائے تو پھر پاکستان کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ صرف وحدت ایمانی اور وحدت اسلامی ہی میں ہمارے لئے پناہ ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی "وحدت" پیدا ہوئی تو اس ملت اور ملک کا شیرازہ منتشر کرے گی۔ طاقتیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں گی اور جاہلی عصبیتیں دوبارہ زندہ ہو جائیں گی جس کو اسلام نے ختم کر دیا تھا۔ اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیۃ حمیۃ الجاھلیۃ۔ جب اہل کفر نے اپنے دلوں میں حمیت جاہلیہ کو جاگزیں کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاذ کسی مسئلہ اور کسی موقع پر اتنی سخت زبان استعمال نہیں کی۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ زبان نبوت سے شاید پہلی مرتبہ ایسے سخت الفاظ نکلے جو اس جاہلی عصبیت کے بارے میں آپ کی زبان سے نکلے تھے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰے نے جو بصیرت عطا فرمائی تھی اور وحی الٰہی کے علاوہ جو اللہ تعالٰی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر فرمایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حقائق منکشف کر دیئے تھے۔ اب قوموں اور ملتوں کی تاریخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھی۔ اس کی بنا پر سب سے بڑا فتنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سمجھتے تھے۔ اسی عصبیت جاہلیہ کے احیاء کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تعزی علیکم بعزاء الجاھلیۃ فاعضوہ بھن ابیہ ولا تکنوا۔

اگر تمہارے سامنے کوئی جاہلی عصبیت کا نام لے کر فلاں قبیلہ، فلاں قوم کی دہائی ہے فلاں کی زبان کی دہائی ہے یا کسی قوم کی توہین کرے محض نسلی بنیاد پر قبائلی بنیاد پر یا ایسی کسی عصبیت پر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخت سے سخت لفظ اس کے لئے بولو اور اشارے کنایے سے بھی مت کام لو۔ یعنی جو سخت سے سخت لفظ تمہاری زبان میں ہے وہ لفظ تم اس کے لئے استعمال کرو۔ اس لئے کہ آپ نے دیکھا ہے کہ یہ وہ عصبیت جو دم کے دم میں ہزاروں برس کے علمی وادبی اور تہذیبی ذخیرے پر اور خدا کے مخلص اور بے لوث بندوں کی کوششوں پر اور ان کا خون پسینہ ایک کر دینے پر پانی پھیر کر رکھ دیتی ہے۔ یہ عصبیت ایسی اندھی ہے جس سے بڑھ کر کوئی اندھا وجود دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ یہ کسی کی رعایت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

میں آپ کو آگاہی دیتا ہوں اور اپنی بات پہنچانا چاہتا ہوں کہ اس ملک کے لئے سب سے زیادہ خطرناک چیز یہ لسانی یا تہذیبی عصبیت یا قدیم تہذیب کے احیاء کی دعوت ہے۔ میں تنہا پاکستان کی بات نہیں کرتا اور بھی دوسرے ممالک ہیں مثلاً مصر میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ فرعونی تہذیب کو زندہ کیا جائے جیسا کہ چند سال پہلے یہ فتنہ کھڑا ہوا تھا یا ایران میں سائرس کی عظمت اور اس کو ایران کا ہیرو بنانے کا فتنہ پیدا ہو جائے تو وہاں اسلام کی چولیں ہل جائیں گی۔ اس لئے اس وحدت اسلامی کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی وحدت اسلامی ہے جو امن پسند ہے اور تعمیری صلاحیت رکھنے والی ہے وہ انسانوں کو جوڑتی ہے توڑتی نہیں اور انسانوں کے لئے تعمیر کا باعث ہے تخریب کا باعث نہیں۔ اللہ نے ہم کو آپ کو بہت پہلے یہ نعمت عطا کی تھی

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔

خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے

تھے اللہ نے تمہارے دل ملا دیئے۔ تم اس کے فضل سے اس کے احسان سے بھائی بھائی ہو گئے اور ایسے بھائی ہوئے کہ انسان رہ جاتا ہے جب سیرت کے واقعات پڑھتا ہے کہ مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابوعزیر کی مشکیں باندھی جارہی ہیں مصعب جب سامنے سے گزرتے ہیں تو کہتے ہیں ذرا اچھی طرح باندھنا موٹی اسامی ہے اس کے فدیہ کی زیادہ رقم وصول ہوگی۔ وہ اپنے بھائی مصعب کی طرف دیکھتے اور کہتے ہیں کہ اے میرے بھائی تم سے تو امید یہ تھی کہ میری سفارش کروگے اور تم الٹا اس شخص کو ہدایت دیتے ہو تو انہوں نے کہا تم میرے بھائی نہیں ہو میرا بھائی یہ ہے جو تم کو باندھ رہا ہے اس عقیدے کی وحدت نے اور مقصد کی وحدت نے اس طرح دلوں کو ملا دیا تھا۔ اس کے مقابلہ میں زبان کی وحدت کا حال معلوم ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک زبان بولنے والوں کے آپس میں تعلقات کا کیا حال ہے۔ کیا ان کی زبان ملانے کا کوئی کام کیا تھا۔ کیا اس نے ان کو نفسانیت یا اپنے ذاتی اغراض سے بالاتر کر دیا ہے اور کیا اس نے اصلاح انسانیت کا جذبہ پیدا کیا ہے کیا وہ دوسری زبان والوں کے مقابلے میں صف آرا ہونے سے فرصت پاتے ہیں تو آپس میں شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔ کیا وہ ایک دوسرے کی عزت کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے اپنے اعمال کو اپنی عزت و آبرو کو دیکھتے ہیں۔ اقبال نے کہا

یک دلی از یک زبانی بہتر است

ایک زبان ہونے سے کام نہیں چلتا۔ ایک دل ہونا چاہیئے اور زبان ایک دل نہیں کرتی صرف منفی رول ادا کرتی ہے۔ دوسروں کے مقابلہ میں زبان کی دہائی دے کر یا زبان کا حوالہ دے کر وہ ان طاقتوں کو مجتمع کرتی ہے جب سے ان کو مقابلہ کرنا ہو۔

آپ کو وحدت اسلامی کا منصب حاصل ہے:

اللہ نے اس وحدت اسلامی کی نعمت ہی آپ کو عطا نہیں کی ہے آپ کو اس کی دعوت دینے کی ذمہ داری بھی تفویض کی ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ دنیا کے سامنے نمونہ پیش کریں کہ وحدت اسلامی کے ثمرات کیا ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو وحدت اسلامی کو دیکھنا ہو تو وہ پاکستان کو دیکھے یہاں کسی ایسی وحدت کی اجازت اور اس کے لئے آپ کو کسی قسم کی چھوٹ نہیں دینی چاہیئے جو آپ کو ایک دوسرے سے جدا کرے اور یہاں وہ مشکلات اور وہ مسائل پیدا کرے جن کا حل کسی بڑے سے بڑے سیاستداں اور کسی بڑے سے بڑے قائد کے پاس نہیں۔ یہ اللہ کی نعمت کی بڑی ناقدری ہوگی کہ جس بنیاد پر یہ ملک و معاشرہ قائم ہوا ہے وہ بنیاد منہدم یا کمزور ہو جائے۔ یہاں مسلمان کس کشش پر آئے؟ کس کے نام پر آئے۔ کس شمع پر یہ سب پروانے جمع ہوئے؟ کیا وہ زبان تھی؟ کیا وہ تہذیب تھی؟ کیا وہ معاشرت و تمدن تھے؟ یہاں کی آبادی کے مختلف حصوں میں معاشرہ و تمدن کا ایسا فرق بھی ہو سکتا ہے جو دو قوموں میں ہوتا ہے۔ صوبہ سرحد کے رہنے والے اور یو۔پی کے رہنے والے ایک مسلمان کے تمدن میں، لباس میں وہ فرق ہو سکتا ہے جو دو ملکوں کے باشندوں میں ہوتا ہے یہ فرق موجود ہے اور اگر آپ اس موقر مجلس پر نظر ڈالیں تو یہ فرق آپ کو نظر آ جائے گا لیکن ان سارے امتیازات پر ان سارے تنوعات پر جو چیز حاوی ہے وہ کیا ہے؟ وہ وحدتِ ایمانی ہے۔

یہی وحدت ایمانی آپ کو مربوط بھی رکھے گی، مضبوط بھی با عزت بھی رکھے گی۔ آپ اس وحدت کی قدریں کریں دنیا میں اس کے داعی اور علمبردار بنیں۔ یہ اپنی خدمت بھی ہوگی معاصر دنیا کی بھی جو تفریق و تقسیم کی زخم خوردہ ہے۔

آخر میں میں آپ سب حضرات کی عزت افزائی اور محبت کا شکرگزار ہوں کہ آپ دُور دُور سے تشریف لائے اور دلچسپی اور توجہ سے میری معروضات سنیں خاص طور پر حکیم محمد سعید کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے میرے لئے ایسا زریں موقع اور ایک ایسی چیدہ مجلس یہاں بلائی جس کے سامنے مجھے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملا۔ اللہ تعالےٰ آپ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس گرانی کے دور میں سستی کتابیں حاصل کرنے کا
صرف
ایک ہی طریقہ ہے
یعنی نشر السنۃ کی رکنیت
ہم اپنے کرم فرماؤں کی خدمت میں عون المعبود جیسی عظیم کتاب جس کی قیمت -/۳۶۰ روپے ہے صرف -/۱۸۰ روپے میں پیش کر چکے ہیں اور اب سنن دارقطنی -/۱۵۰ روپے کی بجائے صرف -/۹۰ روپے میں پیش کر رہے ہیں۔
آج ہی نشر السنۃ کی رکنیت فیس -/۱۰۰ روپے ارسال کرکے اس خصوصی رعایت سے فائدہ حاصل کریں
مزید تفصیلات کیلئے رجوع کریں۔
نشر السنۃ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل نہ ہوگی۔
(محمد سلیم قریشی)

كفاية المفتی

عالم اسلام کے ممتاز فقیہ، مفکر اسلام، مجاہد ملت، مفتی اعظم پاک و ہند حضرت مولانا

مفتی محمد کفایت اللہ صاحب قدس سرہٗ

کے اُردو فتاوٰی کا مجموعہ كفاية المفتی ہمارے ہاں زیر طبع ہے، یہ عظیم کتاب ۹ جلدوں پر مشتمل ہے، کُل صفحات پونے چار ہزار ہیں، کاغذ سفید گلیز، طباعت عکسی،

قیمت کامل سیٹ ۹ جلد غیر مجلّد ــــ ۳۰۰

اِنشاء اللہ العزیز مکمل کتاب چند ماہ میں طبع ہو جائیگی، ۲۹ ذوالقعدہ ۱۳۹۹ تک یکصد روپیہ پیشگی ادا کرنے والے حضرات کو کامل کتاب مبلغ دو صد روپیہ میں دیجائیگی :-

مکتبہ امدادیہ ٹی۔بی ہسپتال روڈ ملتان پاکستان

۷۸۶

مسلک علماء دیوبند کی ترجمان — پاکستان کی عظیم دینی درسگاہ

مدرسہ عربیہ قاسم العلوم رجسٹرڈ فقیر والی ضلع بہاولنگر

قیام :- ۱۹۳۷ء مدرسہ ہذا ۴۲ کنال کے رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، جسمیں ایک عظیم کتب خانہ تقریباً دس ہزار کتب پر مشتمل ہے ایک خوبصورت مسجد، بارہ درسگاہیں، طلباء کیلئے پچاس رہائشی کمرے، اساتذہ کی رہائش کیلئے باپردہ مکانات،

تعلیم :- ابتدائی عربی سے بشمول دورہ حدیث شریف، حفظ و ناظرہ، تجوید القرآن مڈل تک کلاسوں کا انتظام،

مدرسہ ھذا میں تقریباً ساڑھے چار صد طلباء زیر تعلیم ہیں جنمیں سے ۲۵۰ مسافر طلباء جنکی رہائش، خوراک مدرسہ کے ذمہ ہے مدرسہ کا سالانہ خرچ تین لاکھ نقد اور ایک ہزار من گندم اِس پر مستزاد یہ کہ مدرسہ کا کوئی مستقل سفیر نہیں ہے

اپیل برائے چرمہائے قربانی

علاقہ کے مخیر حضرات سے اپیل ہے کہ چرمہائے قربانی یا اس کی رقوم سے مدرسہ کی اعانت فرماکر ثواب دارین حاصل کریں ؟

الداعی الی الخیر :- حضرت مولانا فضل محمد مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر

عظیم العبر

جب عشق ہی زندگی ہو اور محبوب کی رضا ہی مقصد حیات بن جائے۔ عشق چاہت و پیار کی حدوں سے گزر کر جنوں کا روپ لے لے تو محبوب عاشق کی ہر بات کے سامنے بلاحیل و حجت سر جھکاتا ہے۔ اور پھر ایسے موقع پر محبوب نت نئے انداز سے عاشق کو آزمانے کی کوشش کرتا ہے۔

عشق حقیقی ہو تو عاشق کے قدم کبھی نہیں لڑکھڑاتے۔ وہ ڈٹ کر ہر حالات کا مقابلہ کرتا ہے۔ عشق حقیقی میں محبوب کی ایک ادا حج کی ادائیگی ہے۔ لوگ دنیا کے ہر کونے سے جوق در جوق عشق حقیقی کو پورا کرنے کے لئے وسیع و عریض ریگزاروں کی سرزمیں پر دوڑتے جاتے ہیں۔ کعبۃ اللہ بھی حقیقی محبوب کی ایک نشانی ہے جو اس نے اپنے خلیل کو امتحانوں میں پورے اترنے پر دی۔ یہ ایسی نشانی ہے جو ابد تک قائم و دائم رہے گی۔ اس عظیم محبوب کی ادائیں بھی نرالی ہیں۔ اس نے اپنے دوست کو آزمانا چاہا تو حکم دیا کہ اپنی ستر سالہ بیوی ہاجرہ اور دودھ پیتے اسمٰعیل سے جدائی اختیار کرو اور انہیں لے جا کر حجاز کی راہ لو۔ ابراہیم علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔ براق پر جبرائیلؑ کی راہنمائی میں عازم سفر ہوئے۔ خلیل اللہ کا طویل و عریض صحرائی تپتی ریت جھلستی ہوئی پہاڑیوں کے سلسلے ویران علاقوں سے سفر تاریخ کا انوکھا سفر تھا۔ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو گھبرا جاتا مگر خلیل اللہ تو آتش نمرود سے بھی نہ گھبرائے تھے۔ محبوب کی چاہت میں اس سے کبھی گھبرا جاتے ہیں کبھی نہیں۔ بالآخر جبرائیلؑ انہیں ایک سرخ اونچے ٹیلے پر لے آیا جو اس قافلے کی منزل تھا۔ سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں جب خیمہ نصب ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت ہاجرہ نے اپنے بلند پایہ شوہر سے شکایتاً عرض کیا۔

"اے ابراہیم علیہ السّلام ہمیں کس کے حکم پر اس ویران کھینی میں چھوڑ چلے جس میں نہ کوئی کھیتی ہے نہ سبزہ زار نہ پانی ہے نہ کھانے کی کوئی چیز اور نہ کوئی آبادی ہی یہاں ہے۔" ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس موقع پر تڑپ اٹھتا مگر ابراہیم علیہ السلام بلند پایہ صفت نے صرف یہ کہا کہ

"رب امرنی" میرے رب نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے اور حقیقت میں رب کعبہ نے ابراہیم علیہ السلام کو یہی حکم دیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام امتحان میں پورے اترے مگر بیوی کی شکایت نے دل پھسلا دیا۔ مگر جذبہ و آرزو کی تڑپ محبوب کی رضا اس موقع پر بھاری ثابت ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اگر اس وقت کچھ کہا تو صرف اپنے عظیم رب محبوب ازلی رب کعبہ کو پکارا۔ میرے رب میں نے اپنے بچوں میں سے ایک کو اس وادی غیر ذی زرع میں تیرے عزت والے گھر کے پاس چھوڑ دیا ہے۔ اے میرے رب تا کہ یہ تیری عبادت کی مضبوط طرح ڈالے تو اے رب ایسا کرے کہ اس کی طرف لوگ جوق در جوق آئیں۔ (قرآن حکیم)۔ آپ تیزی سے شام کو مڑے۔ محبوب کو حبیب کی معبود کو بندے کی یہ ادا بھا گئی مگر ابھی اور بھی امتحان باقی تھے۔

گہ شہادت الفت میں قدم رکھنا
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

تاریخ ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ ان دونوں پر کیا گزری۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جب چند کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا جو ابراہیم علیہ السلام چھوڑ گئے تھے تو ان کے بیٹے کی حالت غیر ہو گئی۔ بھوک پیا[illegible] حضرت ہاجرہ کو یوں لگا جیسے ان کا لخت [illegible] اپنے بچے کو اپنے سامنے [illegible] تھیں۔ انہوں نے صفا پہاڑی پر بھاگ دوڑ شروع کر دی اور دیکھ رہی تھیں کہ اس صحرا میں کوئی تو آدم زاد ملے تو اس کو [illegible] ایڑیاں رگڑتے بچے کو موت کے ظالم پنجے سے چھٹکارا دلا سکیں۔ اس بھاگ دوڑ میں آپ

(حضرت ہاجرہ) نے صفا مروہ پہاڑی کے سات چکر لگائے مگر وہاں ویرانے میں کون تھا جو ان کی مدد کرتا۔ ہر بار اپنے لخت جگر کو دیکھتیں تو کلیجہ منہ کو آتا۔ بچہ پیاس و بھوک سے موت کی وادی میں جا رہا تھا۔ جب سات بار یہ تماشہ دیکھ چکیں تو مایوسی کے عالم میں ان کی نگاہ امید گاہ کی طرف گئی حضرت جبرائیلؑ نے ایک جگہ پاؤں مارے اور چشمہ ابل پڑا۔ وہ چشمہ جس کے پانی میں شفا ہے۔ وہ پانی شافی ہے۔

چشمہ زمزم:

اس اثنا میں حضرت ہاجرہ نے کہا "زم زم یعنی رُک جا رُک جا" اسی نسبت سے ہم اسے آب زم زم کہتے ہیں۔ رب نے ابراہیمؑ کی التجا سن لی۔ لیکن ابھی امتحان باقی تھا۔ ابھی اس لخت جگر نے قربان ہونا تھا۔ عشق کی انتہا۔ طلب کا جنوں رب کعبہ کے حکم پر ابراہیمؑ نے اپنے لخت جگر کو قربان کیا۔ کوئی اور ہوتا تو خواب پر کبھی یقین نہیں کرتا اگر کرتا تو اپنے بیٹے کو اولاد کو قربان نہ کرتا مگر عشق الٰہی تھا جو یہاں کام کر رہا تھا۔

شیطان نے بہکایا مگر ابراہیمؑ عشق الٰہی سے سرشار تھے آپ نے شیطان کو کنکریاں ماریں اور اپنے فرزند کو قربان کیا۔ اسے تمام کسوٹیوں پر پرکھ لیا گیا۔ ابراہیمؑ امتحان میں پورے اترے اور آپ کی محبت نے ایک انوکھی نشانی دی اپنے ہی طرح کی انوکھی اور عظیم، حکم ہوا اس روئے زمین پر خاک کے فرش پر میرے لئے گھر تعمیر کیا جائے۔ گھر بنا تو کعبۃ اللہ کہلایا۔ دنیا میں وہ پہلا گھر خدا کا سراپا محبت جو ہمیشہ کے لئے محبت والفت کا مظہر بنا رہا۔ یہ عشق بلاخیز کی نشانی ہے۔ اس عشق کی جو آتش نمرود میں بے خوف وخطر کودا۔ ہجر و فراق کی بھٹیوں میں کوئلہ ہوا جس نے صحراؤں اور بیابان میں اپنے بچے اور پیاری بیوی کو چھوڑا۔ پھر عظیم قربانی کی بدولت یہاں تک پہنچے اور وصال کی زندہ جاوید نشانی بیت اللہ۔ بیت عتیق پائندہ و زندہ یادگار جسے محبت نے وہ عظمت دی جو محبوب کے حقیقی نام لیوا اب تک اسے پیار کرتے ہیں۔ ہر سال کروڑوں افراد منزل مقصود کی تلاش کی خاطر اس کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ ہمیں تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم گھر کی گیارہ بار تعمیر ہوئی اور اوّل تعمیر حضرت آدمؑ کے ہاتھوں ہوئی۔

تعمیر کعبہ:

دو مشہور مورخ علامہ ارزقی فلسی اور قطب الدین اپنی تاریخ مکہ میں لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی ابتدا حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اور اس وقت سے لے کر اب تک گیارہ بار مختلف اصحاب کے ہاتھوں تعمیر ہو چکا ہے۔

روایت ہے کہ پہلی بار کعبہ شریف حضرت آدمؑ کے زمانے سے پہلے فرشتوں نے قائم کیا تاکہ اللہ تعالیٰ جب مخلوق کو پیدا کرے اسے اپنے گھر سے آگاہ کرے۔ پھر دوسری مرتبہ حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا اور یہاں سے انسانی فن تعمیر کی داغ بیل پڑی۔ اور یہی انسانی فن تعمیر کا پہلا شاہکار تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ جب حضرت آدمؑ نے باغ عدن کا پھل کھایا تو رب ناراض ہو گیا۔ کیونکہ اس نے ایسا کرنے سے منع فرمایا تھا سزا کے طور پر انہیں باغ عدن سے نکل جانے کا حکم ملا۔ یوں آدمؑ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ خوب روئے۔ گڑ گڑا کر دعا مانگی آخر رب تعالیٰ نے دعا کو اپنے حضور قبول فرما کر حکم دیا کہ اس ارض میں میرے لئے ایک گھر تعمیر کیا جائے۔ حضرت آدمؑ نے خدا اور بندے آقا و غلام طالب و مطلوب کے درمیان دوبارہ تعلق پیدا کرنے اور عشق الٰہی میں اس کی دیواریں اٹھائیں۔ اس تعمیر کے لئے حضرت آدم علیہ السلام نے پانچ مختلف پہاڑوں کے پتھروں کو اکٹھا کیا۔ جبل طور زیتہ۔ جبل جودی۔ جبل حاراں۔ جبل طور سینا۔ جبل لبنان ان میں سے چار قسم کے پتھروں کو بالائی تعمیر کے لئے استعمال کیا گیا اور جبکہ بنیاد جبل حاراں کے لائے گئے پتھر سے رکھی گئی حضرت آدمؑ کی تعمیر کے بعد آپ کے بیٹے حضرت شیثؑ نے تیسری مرتبہ قائم کیا۔ بنیادیں وہی تھیں۔ لیکن تعمیر بگڑنے کے باعث اب ضروری تھا کہ اس کی مرمت کی جائے چنانچہ اس کام کو حضرت شیث علیہ السلام نے خوب انجام دیا۔ تاریخ جہاں حضرت شیث علیہ السلام کے تعمیر کردہ کعبہ تک خاموش ہو جاتی ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے تعمیر کردہ کعبہ تک خاموش رہتی ہے۔ اس موقع پر وہ حکم کو چند اہم معاملوں میں شمار کرتی ہے۔ جب طوفان نوح رکا تو حضرت نوحؑ کے لڑکے سام نے وہاں ڈیرے ڈالے اور اس کے نامور پوتوں، عاد و ثمود، فہان اور جیرون دنیا کے اولین گھر کی بنیاد ڈالی محقق المسعودی کے مطابق لاوز بن الیم بن سام دنیا کا پہلا معمار تھا جس نے زمین کی چھت پر پتھر کے گھروندے بنائے اور جب سے عرب یہاں آباد ہیں۔

تعمیر ابراہیمیؑ:

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جب سو سال کے ہو چکے۔ حضرت اسمٰعیلؑ تیس سال کو پہنچ گئے اور وہ وقت آ گیا جب محبوب حقیقی اپنے پیاروں کو ان انعامات سے نوازے جن کے لئے اتنے سخت امتحان لئے تھے تو حضرت ابراہیمؑ کو (شام میں) حکم دیا کہ رخت سفر باندھیں اور مکہ کا رخ کریں آپ جب چوتھی بار مکے پہنچے تو حضرت اسمٰعیلؑ الحرام کے سامنے اپنی بھیڑوں کے ساتھ مشغول تھے۔ جب حضرت ابراہیمؑ آپ کے سامنے آئے تو حضرت اسمٰعیلؑ ادب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے ملا۔ دونوں خوب روئے۔ آنسوؤں کے آنے کی وجہ بیان کی اور فرمایا۔

"میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کے لئے یہاں گھر بناؤں۔" حضرت ابراہیمؑ نے پھر سے پرانی دفینہ بنیادوں کو الہام الٰہی سے عیاں کیا۔ تاریخ کہتی ہے کہ

پرانی بنیادوں پر دیواریں کھڑی کیں۔ مگر چھت نہ ڈالی کیونکہ سرمایہ نہ تھا۔ حضرت ابراہیمؑ معمار تھے۔ وہ پتھر قرینے سے سجاتے اور جوان اسماعیل پتھر اٹھا کر لاتے اور باپ کو پکڑاتے جاتے۔

وجہ کعبہ:

یہ عمارت اس طرح بنی کہ رکن حجر اسود سے رکن عراقی تک جس کو "وجہ کعبہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں طول میں ۲۲ گز لمبا اور رکن عراقی سے پھر شامی رکن تک کا عرض میں ۲۲ گز پھر رکن شامی سے رکن یمانی تک جو پشت کعبہ ہے ۳۱ گز اور رکن یمانی سے رکن حجر اسود تک عرض میں ۲۰ گز۔ نام کعبہ اس لئے پڑا کہ اس کی شکل کعب ایسی تھی۔ رکن یمانی شامی عراقی صرف کعبہ کے محل وقوع کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً یمانی یمن سے، عراقی سے عراق وغیرہ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس خانہ کعبہ کی بلندی ۹ گز تک کی۔ اس کے ساتھ انہوں نے بیت اللہ میں شرقی و غربی دو دروازے بھی رکھے۔ اس کے علاوہ تعمیر ابراہیمیؑ میں کعبہ کے اندر ایک گڑھا جسے آج کل تہہ خانہ کہہ سکتے ہیں، بھی کھودا گیا۔ یہ گڑھا نذر و نیاز کے واسطے تھا۔ ہر آنے والی چیز اس میں جمع کر دی جاتی تھی تاکہ چوری سے محفوظ رہے۔ کعبہ میں لگے ہوئے دروازے زمین سے ملے ہوئے تھے کیونکہ ان میں کوئی کنڈی نہ لگی تھی۔

حجر اسود کی تاریخ:

چاندی کے مضبوط خول میں منضبط سیاہ رنگ کا ایک پتھر بیت اللہ کی دیوار میں نصب ہے جسے حجر اسود کہتے ہیں۔ اس پتھر کی تاریخ عجیب و غریب ہے۔ واقعات کی منظر اور عظیم انقلابات کی آئینہ دار ہے اور یہ پتھر خطرناک انسانی حوادث کا بارہا شکار ہوا۔

تاریخ دان لکھتے ہیں یہ پتھر آدمؑ کے ہاتھ میں آسمان سے نازل کیا گیا تھا۔ یہ جنت کا ایک پتھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک نشانی کے طور پر دنیا میں اتارا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پتھر جس وقت آسمان سے نازل کیا گیا تھا دودھ سے زیادہ سفید اور شفاف پتھر تھا۔

بعض علماء کرام بیان کرتے ہیں کہ حجر اسود جنت سے نہیں لایا گیا تھا بلکہ جبل ابوقبیس سے حضرت جبرائیلؑ لائے تھے۔ طوفان نوحؑ کے وقت اس پتھر کو خدا کے حکم سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ پھر جب طوفان نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی از سر نو تعمیر شروع کی اور وہ بیت اللہ کی دیواروں کو اس حد تک تیار کر چکے جہاں آج حجر اسود نصب ہے تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت اسماعیلؑ سے پتھر کا ٹکڑا طلب فرمایا۔ تاکہ اسے طواف کے میدان میں لگا کر طواف شروع کرنے والوں کے لئے ایک علامت قائم کر دیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ جو بھی پتھر لاتے حضرت ابراہیمؑ رد کر دیتے، یہاں تک کہ حضرت جبرائیلؑ کا جبل قبیس سے لایا ہوا پتھر دیوار میں نصب کر دیا۔ یہی وہ حجر اسود ہے جو مختلف ادوار میں طرح طرح کی مخالفتوں کا شکار ہوتا ہوا اپنی جگہ بدستور قائم چلتا رہا۔

جنتی پتھر:

حجر اسود کے جنتی پتھر ہونے کے متعلق حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "رکن اسود" "مقام ابراہیم" جنت کے دو یاقوت ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کے نور کو بجھا نہ دیتا تو مشرق و مغرب ان کی تابناکیوں سے جگمگا اٹھتے۔

حدود حرم:

تاریخ میں اس بات کا ذکر بھی موجود ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ نے حجر اسود کو جب دیوار میں نصب کیا تو ارد گرد اس کی چمک سے منور ہو گئے۔ چنانچہ جہاں تک حجر اسود کی روشنی پہنچی اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو حرم قرار دے دیا۔

فضائل:

حجر اسود کے محاسن اور فضائل بیان کرتے ہوئے قاضی عیاضؒ نے کتاب الشفا میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اس رکن اسود کے پاس رہا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائیں گے۔"

جناب طرطوسؒ لکھتے ہیں حجر اسود کی خاصیت یہ ہے کہ نہ تو اس پر آگ کی حرارت اثر انداز ہو سکتی ہے یعنی وہ ہمیشہ ٹھنڈا رہتا ہے اور نہ ہی وہ پانی میں غرق ہوتا ہے بلکہ خشک لکڑی کی طرح پانی کی سطح پر تیرتا رہتا ہے۔

فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ حجر اسود کو چوم کر فرمایا "اے حجر اسود" خدا گواہ ہے میں تجھے صرف ایک سیاہ پتھر سمجھتا ہوں تو بذات خود نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے نہ چومتے تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔" حضرت عمرؓ نے یہ اس لئے فرمایا تاکہ مشرکین عرب مسلمانوں پر یہ اعتراض نہ کر بیٹھیں کہ اسلام میں بھی بت پرستی کی گنجائش ہے یا نو مسلم جو حجر اسود کو چومتے ہوئے بت پرستی کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔

سفیدی اور سیاہی:

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کعبہ میں نصب پتھر ابتدا میں سفید تھا — متعدد مرتبہ آتش زنی کے باعث حجر اسود کالا ہو گیا اور یہاں تک کہ اس کے ٹکڑے ہو گئے۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا نام ابتدا سے حجر اسود کیوں ہے جبکہ یہ ابتدا میں سفید تھا۔

تاریخ میں ہبوط آدمؑ کے ساتھ اس

پتھر کے وجود کا تو پتہ چلتا ہے لیکن اختلاف زبان کے سبب اس پتھر کے مختلف نام رہے ہیں۔ 'حجر اسود' اس کا نام اسوقت پڑا جب عربی زبان کی ابتدا ہوئی۔ 'حجر' پتھر کو اور 'اسود' زیادہ کالے کو کہتے ہیں۔

احادیث اور دوسری کتب میں حجر اسود کے دیگر نام بھی مذکور ہیں۔ حجر اسود کے سفید ہونے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے علاوہ تاریخ میں بعض عینی شاہدوں کے بیانات بھی ملتے ہیں۔

اس لئے اس سلسلے میں قاضی عزیز الدینؒ کا بھی بیان ہے۔ میں نے اپنے حج ۸۰۸ھ میں حجر اسود کو دیکھا تو اس کے اوپر تک سفید دھبہ تھا۔ اس کے بعد یہ سفیدی ختم ہوتے ہوتے بالکل جاتی رہی۔ اس طرح ابن خلیل کہتے ہیں کہ میں نے حجر اسود میں تین جگہ سفیدی دیکھی جو بتدریج سیاہی میں تبدیل ہو گئی۔

حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت اسمٰعیل ایک سو سال تک کعبہ کی حجابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے نابت سردار ہوئے لیکن بعد ازاں حجابت کعبہ نابت کے نانا مضاض بن جرہم کے قبضہ میں چلی گئی جس کے پوتے مضاض نے اولاد اسمٰعیلؑ پر تشدد و ظلم شروع کر دیا جس کی اولاد عمرو بن ربعہ نے اللہ تعالیٰ سے بغاوت شروع کر دی اور وہ پہلا شخص تھا جس نے کعبہ میں بت رکھے اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ بتوں کی پوجا کیا کریں۔ بنو خزاعہ پانچ سو سال تک کعبہ کے حاجب اور زمزم کے نگراں رہے۔ ہم جانتے ہیں کہ نوحؑ کے زمانہ میں آنے والا طوفان حضرت آدمؑ کے نزول سے ۲۲۸۲ برس بعد آیا تو حضرت نوحؑ کی کشتی نے بھی طوفان آنے کے بعد سات مرتبہ کعبہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد جب طوفان اترا اور زمین پر دوبارہ زندگی کے آثار پیدا ہوئے۔ آخرکار انہیں کعبہ کا خیال آیا تو تعمیر کے لئے سوچا۔ حضرت [illegible] کا تعمیر کردہ کعبہ جو اب منہدم ہو چکا ہے دوبارہ عمالقہ بن ارم ابن سام بن نوح کی اولاد نے تعمیر کیا۔ عمالقہ اول سکان مکہ سے تھا۔ یہ خانہ کعبہ کی پانچویں مرتبہ تعمیر تھی۔

چھٹی مرتبہ تعمیر:

چھٹی مرتبہ اولاد جرہم (جن کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام سے ہے) نے تعمیر کیا۔ ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں سیلاب کا پانی داخل ہوا اور اسے کافی نقصان پہنچا تو قصیٰ بن کلاب نے ساتویں مرتبہ از سر نو تعمیر کا بندوبست کیا۔ یہ تعمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے دو سو سال پہلے ہوئی اور قصیٰ ابن کلاب نے پہلی مرتبہ کعبہ پر چھت ڈالی۔ یہ چھت کھجوروں کی شاخوں اور گوگل کی لکڑیوں سے ڈالی گئی۔ قصیٰ کے بعد کعبہ کی حجابت قریش کے پاس رہی یہانتک کہ یہ شرف حضرت عبدالمطلب کو حاصل ہوا۔ خواب میں زمزم دیکھا۔ بیدار ہوئے کھدائی کی۔ چونکہ صدیوں سے دبا ہوا تھا پھر بہہ نکلا۔ انہیں کے عہد میں ابراہہ نے کعبہ کے مقابلے میں اس کی شہرت وعظمت کو مٹانے کے لئے صنعا میں ایک عبادت خانہ تعمیر کروایا۔ اس میں سرخ، سیاہ اور زرد پتھر استعمال کئے اور قصر بلقیس کے نقشین پتھروں سے اسے سجایا۔ اور اس خیال سے کہ کعبہ کو مٹا کر اس خود تعمیر کردہ نام نہاد عبادت خانے کو زیارت گاہ کی جگہ دلا جائے کعبہ پر چڑھ دوڑا۔ حضرت عبدالمطلب جو کعبہ کے متولی تھے، انہوں نے اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کی کہ "اے اللہ انسان اپنے مال ومتاع اور اپنی سواری کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے سامان کی حفاظت کر۔ ان کی صلیبیں تیری قوتوں کے دشمن ہیں کہیں وہ تیری طاقتوں پر غالب نہ آ جائیں اگر تو ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان مداخلت نہ کرے تو یہ دوسری بات ہے۔ لیکن خدا نے کعبہ کو بچایا اور ابرہہ کو ذلیل وخوار کیا۔ اسی سال سرور کونین رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارکہ ہوئی۔

تعمیر قریشی (آٹھویں مرتبہ)

قریشی تعمیر خانہ کعبہ کی آٹھویں تعمیر تھی۔ اس تعمیر کا قصہ بھی دلچسپ ہے کیونکہ اس تعمیر کے باعث قریش نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جج مقرر کیا۔ یہ تعمیر حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کے ۲۶۴۵ سال بعد اور بعثت نبویؐ سے پانچ سال پہلے ہوئی اور حلم میں خانہ کعبہ کو تشکیلی صورت دی جا رہی تھی لیکن سنگ اسود کو لگانے کے موقع پر جھگڑا ہو گیا اور نوبت کشت وخون تک پہنچ گئی کیونکہ ہر قبیلہ پتھر نصب کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ جو کعبہ میں صبح پہلے داخل ہوا اسے حجر اسود نصب کرنے کا حق ہوگا۔ چنانچہ مکہ والوں نے دیکھا کعبہ میں صبح سویرے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے اور یہ سعادت قدرت خداوندی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی۔ آپ نے حجر اسود نصب کرنے سے پہلے پتھر کو چادر میں رکھ لیا اور ہر خاندان کے افراد کو چادر کے کونے پکڑنے کے لئے کہا۔ جب پتھر نصب کے مقام کے قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے یہ پتھر بیت اللہ کی دیوار میں نصب کر دیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ برس تھی۔ اس تعمیر میں قریش نے حجر کی جانب سے چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا کیونکہ چندہ اتنا نہ تھا۔ حجر کے پچھلی طرف گول چھوٹی سی دیوار تعمیر کی تاکہ لوگ اس کے پیچھے طواف کر سکیں۔ دروازہ بند کر دیا۔ پتھروں کو مضبوط بنایا تاکہ سیلابی پانی اندر داخل نہ ہونے پائے صرف ایک ہی دروازہ رکھا تاکہ جسے چاہیں روک سکیں۔ دو صفوں میں چھ ستون رکھے۔ ہر صف میں تین ستون تھے۔ پرنالہ حجر حضرت اسمٰعیلؑ پر گرتا تھا۔ چھت بھی ڈالی۔ بلندی اٹھارہ ہاتھ تھی۔

تعمیر ابن زبیرؓ (نویں مرتبہ)

قریش کے بعد مسلمانوں کا دور شروع ہوا

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ حجاز کے گورنر مقرر ہوئے۔ جس سے حجاز کی کمان ان کے ہاتھ میں آئی۔ حضرت ابن زبیرؓ نے ۶۴ھ ۱۵ جمادی الثانی کو نویں بار تعمیر کا ارادہ فرمایا۔ نویں بار تعمیر ۲۷ رجب المرجب ۶۴ھ کو ختم ہوئی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے تین دن استخارہ کے بعد دونوں دروازے زمین کے برابر کرکے کھول دیئے اور تمام تعمیر ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر کی۔ پیمائش بھی وہی کردی گئی۔ یہ انہوں نے اس لئے کیا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تھی جسکا ترجمہ یہ ہے "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیری قوم نے کعبہ کو چھوٹا کردیا۔ اگر تیری قوم نا علم ہوتی تو میں اسے سابقہ بنیادوں پر بھی تعمیر کردیتا۔ آمیں تجھے دکھادوں انہوں نے کتنا چھوٹا کردیا۔ پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ حصہ دکھایا اور فرمایا کہ اگر تعمیر کا موقع ملے گا تو میں زمین پر اس کے دو دروازے بناتا ایک مشرقی ایک مغربی جس سے لوگ داخل ہوتے اور نکلتے۔"

بلندی ۲۷ گز ہوگئی۔ دو صفوں میں سے چھ ستون سے تین ستون کردیئے گئے۔ کعبہ کے چار ستون تھے اور آپ کے زمانے میں یہ چاروں ستون چوبے جاتے تھے۔ آپ نے سونے کا بنایا ہوا پرنالہ چھت پر لگایا تھا اور اوپر جانے کے لئے رکن شامی کی جانب ایک سیڑھی بنوائی۔ اور یہ تعمیر چونے سے ہوئی۔ تعمیر سے فراغت کے بعد اس پر مشک لیپا گیا اور دیبا کا پردہ ڈلوایا گیا۔ اس موقع پر بہت سے غلام آزاد کئے گئے۔ بکروں اور اونٹوں کی قربانیاں دی گئیں۔ قریش اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی تعمیر میں ۸۲ سال کا عرصہ تھا۔

حجاج نے جب مکہ فتح کیا تو عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ ابن زبیرؓ نے چند چیزوں کا کعبہ میں اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان کے حکم پر حجاج بن یوسف نے اس کی دسویں مرتبہ تعمیر ۷۲ھ میں کی۔ حجاج بن یوسف نے بنیاد ابن زبیرؓ کی ہی مانا لیکن شرقی دروازہ کو بند کرکے پھر سے مغربی دروازہ چار گز ایک بالشت کردیا۔ اس کے علاوہ حطیم کی طرف سے دیوار گرا کر قریش کی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا گیا۔

سلطانی تعمیر (گیارہویں مرتبہ)

سلطان مراد کی تعمیر گیارہویں بار تعمیر تھی۔ سلطان مراد کا تعلق سلاطین آل عثمان سے تھا۔ اس نے ۱۹ شعبان کو مشرقی دروازہ کو زمینی سطح سے بلند کیا اور لمبائی میں چار گز ایک بالشت کی کمی کردی۔ یہ تعمیر ۷۲ھ میں مکمل ہوئی۔ اسوقت خانہ کعبہ میں بنائی ہوئی حجر میں دیوار حجاج کی بنائی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ تمام چیزیں ابن زبیرؓ کی بنائی ہوئی ہیں۔ مشرقی دروازہ کی چوکھٹ اور اندرونی سیڑھی پر دو دروازے بھی حجاج ابن یوسف کے بنائے ہوئے ہیں۔ حجاج کی تعمیر سلطان مراد تک رہی۔ قریشی اور حجاج کی تعمیر میں کعبہ کی موٹائی اتنی ہی تھی جتنی کہ اب موجود ہے۔ حجاج نے تعمیر اس لئے کروائی کہ ابن زبیرؓ کے محاصروں پر آگ لگی تو ابن زبیرؓ نے کعبہ کو اجتہاد و استخارہ کے بعد تعمیر کروایا۔ حجاج نے اس کو غلط جان کر خلیفہ کے حکم پر دوبارہ تعمیر کی۔ جب خلیفہ کو معلوم ہوا کہ ابن زبیرؓ نے حدیث کے مطابق تعمیر کی تھی تو وہ رو دیا اور کہا کہ کاش میں ابن زبیرؓ کی تعمیر کو اسی طرح چھوڑ دیتا۔ اس نے بہت خرچ کیا۔ بدھ کے دن آٹھ بجے مکہ اور گرد و نواح میں سیلاب آگیا مسجد حرام تک پانی آگیا اور قفل کعبہ سے ۲ میٹر اوپر چڑھ گیا اور جمعرات کو شامی دیواریں عصر کے وقت گر گئیں۔ مشرقی دروازہ کا کچھ حصہ بھی گر گیا جو شامی دروازے سے ملا ہوا تھا۔ مغربی دیوار دونوں طرف سے چھ حصہ تک گر چکی تھی۔ باہر کی طرف سے دو تہائی اور چھت کا کچھ حصہ گر گیا جو شامی دیوار سے ملا ہوا تھا۔ بعد از سیلاب سلطان مراد نے بنیاد کعبہ کا حکم دیا اور تعمیر ۱۰۴۰ھ میں قریشی بنیاد پر مکمل ہوئی۔ یہ تعمیر حجاج کی تعمیر سے ۹۶۶ برس بعد ہوئی۔ ان تعمیرات کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی تعمیر کا ارادہ کیا مگر علماء کرام کی مخالفت آڑے آئی اور کہا کہ یہ رکن ایمان ہے۔ اسے کھیل نہ سمجھا جائے۔ اس موقع پر لوگوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کی بھی مخالفت کی مگر ابن زبیرؓ نہ مانے اور ڈھا دیا۔ اس سے لوگ ڈر گئے اور منیٰ چلے گئے۔ مشورہ دیا کہ لوگوں کو بغیر قبلہ کے نہ چھوڑو۔ ارد گرد لکڑیاں لگوادو تاکہ طواف کرسکیں۔ چنانچہ آپ نے اس مشورہ پر عمل کیا۔ منصور، مہدی ہارون رشید نے بھی تعمیر کا ارادہ کیا مگر حضرت امام مالک رح کے منع کرنے پر رک گئے۔ ان کے بعد سلطان احمد بن محمد بن مراد بن جم نے بھی تعمیر کے لئے سوچا مگر علماء کرام نے اس موقع پر بھی مخالفت کی۔ چنانچہ سلطان نے ٹوٹی دیوار پر پیتل کا گھیرا لگا دیا۔ یہ کام ۱۰۲۰ھ میں ہوا۔ اس پر اسی ہزار دینار خرچ ہوئے۔ اس کے علاوہ عہد اسلامی میں بیت الحرام جو کہ حرم کے گرد ہے اس کی آٹھ بار توسیع ہوئی۔ توسیع کرنے والوں میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ، عبدالمالک۔ ولید بن عبدالمالک، منصور مہدی عباس، مقتدر باللہ اور معتضد شامل ہیں۔ موجودہ بیت الحرام کی شان و شوکت سعودی عربیہ عہد کی تعمیرات کا نتیجہ ہے۔

کعبۃ اللہ کے خاتمہ اور حجر اسود مقدس کے خلاف ناکام سازش:

حجر اسود تاریخ میں جہاں اور بہت سے واقعات کا ذکر ہے وہاں اس پتھر کے خلاف سازشوں کا تذکرہ بھی دلچسپ ہے اور عبرت انگیز بھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس پتھر کو اپنے اصل مقام سے ہٹانے کے لئے اسے نیست و نابود کرانے کے لئے مختلف ادوار میں مختلف سازشیں کی گئیں۔ چنانچہ جرہم، عمالقہ، ایاد، قراعہ، قرامطہ، قبائل و اقوام بار بار حجر اسود کو بیت اللہ کی

کی دیوار سے نکال کرلے گئیں تاکہ وہ بیت اللہ کے مدمقابل اس نمونے کا ایک جعلی بیت اللہ تعمیر کرکے یہ پتھر اس میں نصب کرسکیں اور خدا کے حقیقی گھر کی عظمت واہمیت ختم ہوجائے لیکن ان اقوام وقبائل کی یہ کوشش اس طرح ناکام ہوئیں کہ حجراسود اپنے مرکز سے زیادہ عرصہ بھی جدا نہ رہا۔ وہ اپنے اصلی مقام پر بہت جلد واپس ہوتا رہا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب یزید بن معاویہؓ کے حکم سے حصین بن نمیر نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے جنگ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کی تو حضرت ابن زبیرؓ نے اپنے ساتھیوں سمیت خانہ کعبہ کے اردگرد مسجد الحرام میں پناہ لی اور دھوپ سے بچنے کے لئے خیمے نصب کرلئے تھے۔ حصین بن نمیر نے مکہ میں داخل ہوکر جبل ابوقبیس اور اس کے حجازی پہاڑ جبل احد پر منجنیقیں نصب کرکے حضرت ابن زبیر اور ان کے ساتھیوں پر سنگ باری شروع کی۔ اس سنگ باری سے خانہ کعبہ کی عمارت کو شدید نقصان پہنچا۔ غلاف کعبہ پارہ پارہ ہوگیا اور کعبہ کی دیواروں میں شگاف پڑگئے۔ اسی اثناء میں سوء اتفاق حضرت ابن زبیرؓ کے ساتھیوں کے ایک خیمہ کو آگ لگ گئی جس سے غلاف کعبہ کے علاوہ لکڑی کا سارا سامان جل گیا اور کعبہ کی دیواریں متزلزل ہوگئیں۔ حتیٰ کہ "حجراسود" اس حادثہ کا شکار ہوگیا اور پھٹ گیا۔ اس واقعہ سے باشندگانِ مکہ مکرمہ و شام خصوصاً حصین بن نمیر اور اس کی جماعت سخت گھبرائی اور ان پر ایسا خوف مسلط ہوا کہ ۲۹ روز بعد محاصرہ ختم کردیا۔ انہیں دنوں یزید بن معاویہؓ کی موت کی خبر موصول ہوگئی۔ چنانچہ حصین بن نمیر واپس شام چلا گیا۔ بعد میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے بیت اللہ کی شکستہ عمارت کو منہدم کرکے تعمیر ابراہیمیؑ قدیم بنیادوں پر از سرنو تعمیر شروع کردی۔ حجراسود چونکہ آتشزدگی کے سبب پھٹ گیا اور اس کے علیحدہ علیحدہ تین ٹکڑے ہوگئے تھے۔ اس لئے حضرت ابن زبیرؓ نے ان ٹکڑوں کو چاندی کی مضبوط پتریوں اور تاروں میں منضبط کرکے خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب کردیا گیا مگر ۱۲۶۸ھ میں سلطان عبدالحمید نے چاندی کے بجائے سونے کے ٹکڑے لگائے ۱۲۸۱ھ میں سلطان عبدالعزیز نے سونے کے بجائے چاندی لگادی۔ حتیٰ کہ ۱۳۳۱ھ میں اس فریم کو تبدیل کردیا گیا اور ۱۳۶۶ھ میں پرانے فریم کو اصلاح دی گئی۔

حجراسود کے سب سے چھوٹے ٹکڑے کو جدا کرلیا گیا تھا اور یہ ٹکڑا کافی عرصہ تک خاندان بنو شیبہ کے ایک شخص کے پاس محفوظ رہا۔ کچھ عرصہ بعد غالباً مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں وہ پترے جن سے حجراسود کے ٹکڑے مضبوط شکل میں باندھ لئے گئے تھے ڈھیلے پڑگئے اور یہ خطرہ لاحق ہوا کہ یہ پتھر اپنی جگہ سے نکل نہ جائے فوراً ہارون الرشید نے ملحقہ پتھروں کے اندر سوراخ کرا کے ان میں چاندی بھروادی اس سے حجراسود کی سطح بھی برابر ہوگئی۔

حجراسود کی چوری:

تاریخ میں حجراسود کو خانہ کعبہ کی دیوار سے باہر نکال کر سازشوں کا ۳۱۷ تک سراغ ملتا ہے۔ چنانچہ اس سال کے اواخر ۸ ذی الحجہ ابوطاہر سلیمان بن الحسین قرامطی نے مکہ پر حملہ کرکے حجاج کو لوٹ لیا اور اس قدر خونریزی کی کہ بیت اللہ اردگرد کی دیواروں میں انسانی خون نہروں کی شکل میں بہہ نکلا۔ اس حملہ میں کتنے بے گناہ اور معصوم حجاج جام شہادت نوش کرگئے، اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ چاہ زمزم حجاج کی لاشوں سے اٹا پڑا تھا۔ حملہ کے دوران ایک ظالم قرامطی بیت اللہ کی چھت پر چڑھ گیا تاکہ "میزاب رحمت" کو اکھاڑ پھینکے۔ لیکن وہ سر کے بل ایسا گرا کہ اسی وقت اس کی جان نکل گئی۔

اس حملہ کے دوران ابوطاہر سلیمان حجراسود کو بیت اللہ سے نکال کر کوفہ لے گیا اور جامع کوفہ کے ساتویں ستون کے ساتھ اس فاسد خیال سے ٹکا دیا کہ آئندہ کے لئے حج اور طواف" کا مرحلہ مکہ کی بجائے کوفہ میں طے ہوا کرے گا۔ لیکن اس کی یہ سازش کامیاب نہ ہوسکی۔ چنانچہ خلیفہ المطیع اللہ ابوالقاسم نے بقول بعض مورخین ابوالعباس الفضل بن المقتدر نے تیس ہزار دینار دے کر حجراسود قرامطیوں سے خرید لیا اور ۳۳۹ھ میں اسے مکہ پہنچا کر تقریباً ۲۲ سال بعد حجراسود پھر خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب کردیا۔ پھر بعد میں میں سلطان عبدالعزیز نے سونے کی بجائے چاندی لگادی

۱۳۳۱ھ میں تبدیل کردیا گیا اور ۱۳۶۶ھ میں پرانے فریم کی اصلاح کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پاک گھر کی بنیاد مکے میں رکھی مگر بعض احمق کہتے ہیں کہ کاش چاندی سے سونے سے بنا ہوتا۔ اور عیسائیوں کے کلیساؤں جیسا ہوگا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر شاندان کو معلوم نہیں جتنی سادگی ہوگی اتنی ہی روحانیت اور تکریم ہوگی۔ اگر آس پاس گھر میں جھاڑ و فانوس ہوتے نقشین دروازے ہوتے اونچی بلڈنگ ہوگی اور بلڈنگ وسیع و عریض علاقے میں پھیلی ہوئی تو لوگ اس کی عزت و تکریم نہ کرتے نہ اس میں روحانیت ہوتی بلکہ اگر کوئی دیکھنے آتا تو صرف اس کے فانوس دیکھتا۔ اس کے نقش دیکھتا۔ اس کی اونچی وسیع عمارت کو دیکھتا مگر اس میں وہ روحانیت نہ ہوتی۔ وہ اس کی تکریم نہ ہوتی جو اس وقت سادگی میں پائی جاتی ہے اور حقیقت میں وہ معظم و اشرف ہے کہ تعمیر ابراہیم و اسمٰعیلؑ کے بعد سے اب تک کوئی ایسا وقت نہیں گزرا کہ یہ طواف سے خالی رہا ہو۔ حتیٰ کہ یہ وقت بھی آیا جب کہ مکہ کا محاصرہ ہوچکا تھا اور عبداللہ ابن زبیرؓ گھیر لئے گئے ہر طرف شور و غوغا برپا تھا مگر جب بھی طواف سے خالی نہ تھا۔

رسم غلاف کعبہ: سن عیسوی سے چند برس قبل

باقی صفحہ ۲۶ پر

پشاور یونیورسٹی میں جمعیتہ طلبہ اسلام کو اجتماع کی اجازت نہ دینا

یونیورسٹی انتظامیہ کا جانبدارانہ فیصلہ ہے: ندیم اقبال اعوان

جمعیتہ طلبہ اسلام پاکستان کے ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان نے پشاور یونیورسٹی میں جمعیتہ طلباء اسلام کے اجتماع کے اجازت نامے کی منسوخی پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ صرف جمعیتہ طلبہ اسلام کو یونیورسٹی میں اجتماع کرنے سے روک کر انتظامیہ نے مکمل جانبداری کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی کچھ عرصہ قبل اسلامی جمعیتہ طلبہ نے اجتماع کیا تھا لیکن یونیورسٹی انتظامیہ اس پر خاموش رہی اور کوئی نوٹس نہ لیا اور اسی طرح دوسری تنظیموں نے بھی اجتماعات منعقد کیے اس پر نہ تو گورنر اور نہ کمشنر مزاحم ہوئے اور اس پر مزید یہ کہ پہلے اجازت دے دی گئی لیکن جب تیاری مکمل ہو چکی تھی اس وقت اجازت نامے کو منسوخ کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ مرکزی ناظم عمومی نے کہا کہ جمعیتہ طلباء اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ اس نے آج تک کسی ہنگامے میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی تخریبی سرگرمیوں میں حصہ لیا ہے جمعیتہ طلبہ اسلام کا مقصد طلبہ تک دینی دعوت پہنچانا ہے تاکہ اور طلبہ کے ذہنوں کو لادین عناصر کے پروپیگنڈے سے محفوظ رکھنا ہے جمعیتہ طلباء اسلام کوئی سیاسی تنظیم نہیں اور نہ اس کے مقاصد سیاسی ہیں۔ ان حالات میں جمعیتہ طلبہ اسلام کو اجتماع کی اجازت نہ دینا جانبدارانہ فیصلہ ہے۔

چارسدہ ضلع پشاور

جمعیتہ طلبہ اسلام چارسدہ کا ہفتہ وار اجلاس ضلع پشاور کے نائب صدر حمید اللہ حامد کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ افتتاحی درسِ قرآن میں ضلع پشاور کے رہنما جناب محمد ایاز نے طلبہ پر زور دیا کہ اپنی زندگیوں کو قرآنی تعلیمات کے مطابق ڈھالیں۔ اگر ہم اسلامی تعلیمات اور احکامِ خداوندی پر عمل کریں گے تو اللہ کی امداد و نصرت کے دروازے ہر میدان میں کھل جائیں گے۔ صدرِ اجلاس نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جمعیتہ طلبہ اسلام طلبہ کی فکری و عملی اصلاح کے ساتھ ساتھ طلبہ کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ آخر میں کالج یونین کے الیکشن میں جمعیتہ طلبہ اسلام کے کردار سے متعلق غور کیا گیا۔

ضلع لاڑکانہ

جمعیتہ طلبہ اسلام ضلع لاڑکانہ کے صدر اور چانڈکا میڈیکل کالج کی سٹوڈنٹس یونین کے جوائنٹ سیکرٹری جناب خالد محمود سومرو نے مختلف تعلیمی اداروں کے نمائندہ طلبہ کے ایک وفد سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ نظامِ تعلیم کی حیثیت قومی اور ملی ولولوں کے خلاف زہر قاتل ہے۔ اس کو ختم کرنے کے لیے جدوجہد کرنا ہمارا ملی و دینی فریضہ ہے۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ حکومت اسلامی نظام کو نظامِ تعلیم کی تبدیلی کے بغیر نافذ کرنا چاہتی ہے جو ناممکن ہے اسلامی نظام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے نظامِ تعلیم کو بدلنا انتہائی ضروری ہے۔ شہر لاڑکانہ کے کنوینر بدر الدین اور معاون عابد حسین نے ایک مشترکہ بیان میں کہا کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کی طرح دینی مدارس کے طلبہ کو بھی بسوں کے کرایوں میں قانونی طور پر رعایت دی جائے اور سرکاری طور پر حکم نامہ جاری کیا جائے۔

مصطفیٰ آباد ضلع لاہور

جمعیتہ طلبہ اسلام حلقہ مصطفیٰ آباد کا اجلاس مقامی دفتر میں ہوا جس میں جمعیتہ طلباء اسلام کی مقامی شاخ کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ انتخاب مولانا محمد ابراہیم کی نگرانی میں ہوا۔

صدر : غضنفر الرحمٰن
نائب صدر : محمد طالش، جاوید سلیم
ناظمِ عمومی : زاہد الحق فریدی
ناظم : حافظ محمد دین
ناظم نشریات : حافظ عبد الرحمٰن
خازن : رشید احمد

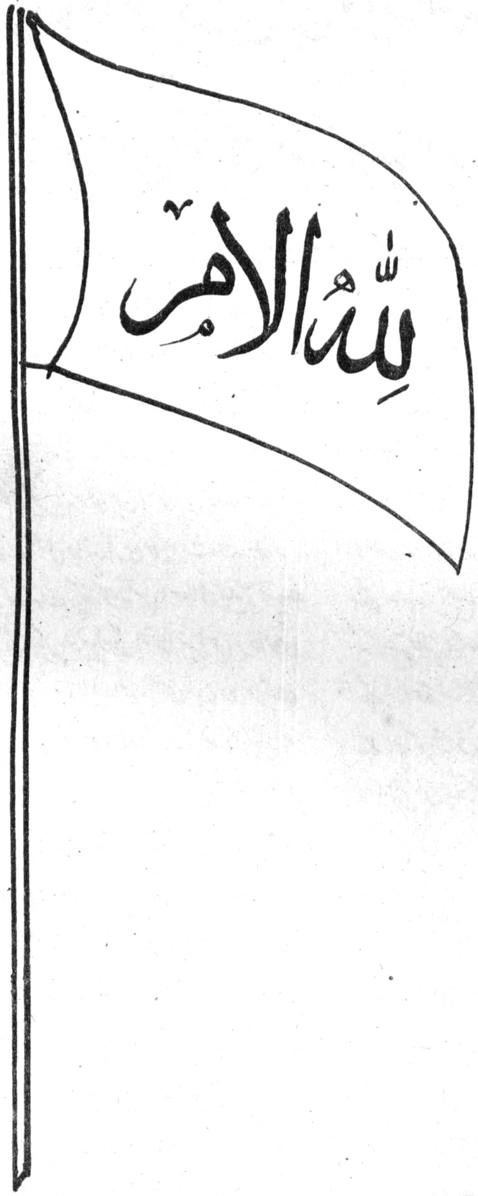
توجہ کریں

ترجمان طلباء نمبر کی شکل میں ۲۰ اکتوبر کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

نوٹ : ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں (رسالہ نہ ملنے پر ادارہ کو خبر دیں)

(ادارہ)

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے یوم تاسیس کے موقع پر



ہم

اللہ کے حضور، قوم کے روبرو
تاریخ کو گواہ بنا کر

عہد

کرتے ہیں کہ

رب ذوالجلال کی رضا کے لئے
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں
قرآن و سنت کے مطابق
فکر ولی اللّٰھی کی روشنی میں
اسلامی انقلاب کے لئے ہماری جد وجہد جاری رہے گی۔

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان